

کتاب انزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمات الى النور

تفسیر ابن کثیر

رأسس التفسير
حافظ عماد الدين ابوالفداء ابن کثیر

مترجمه
خطیب الہند مولانا محمد جونگڑھی

مکتبہ قدوسیہ



چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

- | | | |
|-----|---|---|
| ۳۲۳ | ۲۵۲ • آداب خطاب | • نبی اکرم ﷺ کا اظہار بے بسی |
| ۳۲۵ | ۲۵۳ • فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو | • تابع قرآن جنتیوں کے حالات |
| | ۲۵۵ • دو متحارب ”مسلمان جماعتوں“ میں صلح کرانا ہر مسلمان کا | • والدین سے بہترین سلوک کرو |
| ۳۲۸ | ۲۵۸ • فرض ہے | • اس دنیا کے طالب آخرت میں محروم ہوں گے |
| ۳۳۰ | ۲۶۱ • ہر طعنہ باز عیب جو مجرم ہے | • قوم عادی کی تباہی کے اسباب |
| ۳۳۰ | ۲۶۲ • دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ | • مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی |
| ۳۳۲ | ۲۶۵ • نسل انسانی کا نکتہ آغاز | • طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الہی سنا شیطان بوکھلایا |
| ۳۳۶ | ۲۷۳ • ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائز تو لیں | • ایمان دار جنوں کی آخری منزل |
| ۳۴۰ | ۲۷۷ • اہل کتاب کی موضوع روایتیں | • جب کفار سے میدان جہاد میں آنا سامنا ہو جائے |
| ۳۴۲ | ۲۸۰ • اللہ کے محیر العقول شاہکار | • تمام شہروں سے پیارا شہر |
| ۳۴۳ | ۲۸۲ • ان کو شامت اعمال ہی پسند تھی | • دودھ پانی اور شہد کے سمندر |
| ۳۴۴ | ۲۸۳ • دائیں اور بائیں دو فرشتے | • بے وقوف، کند ذہن اور جاہل |
| ۳۴۷ | ۲۸۵ • ہمارے اعمال کے گواہ | • ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے |
| ۳۴۸ | ۲۸۸ • متکبر اور تجبر کا ٹھکانا | • منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو |
| ۳۵۱ | ۲۸۹ • بے سود کوشش | • نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی |
| ۳۵۲ | ۲۹۱ • جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے | • سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات |
| ۳۵۶ | ۲۹۲ • حسن کارکردگی کے انعامات | • اطمینان و رحمت |
| ۳۵۹ | ۲۹۵ • مہمان اور میزبان؟ | • آنکھوں دیکھا گواہ رسول اللہ ﷺ |
| | ۲۹۹ | • مجاہدین کی کامیاب واپسی |
| | ۳۰۱ | • مال غنیمت کے طالب |
| | ۳۰۲ | • چودہ سو صحابہ اور بیعت رضوان |
| | ۳۰۳ | • کفار کے بد ارادے ناکام ہوئے |
| | ۳۰۶ | • مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار |
| | ۳۱۵ | • رسول اللہ ﷺ کا خواب |
| | ۳۱۹ | • تصدیق رسالت بزبان اللہ |

تفسیر سورۃ الاحقاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَالَّذِينَ
كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ
شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَرَةٍ
مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

بہت بخشش کرنے والے بہت مہربان اللہ کے نام سے شروع ○

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ○ ہم نے آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزیں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک معیار معین کے لئے بنائی ہیں 'کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں ○ تو کہہ بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے ○ یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کوئی کتاب یا کوئی نقلی علم ہی میرے پاس لاؤ ○

(آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان و زمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔ اس رسول سے اس کتاب سے اور اللہ کے ڈراوے کی اور نشانیوں سے جو بد باطن لوگ بے پرواہی اور لالچاابی کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر فرماتا ہے ڈرا ان مشرکین سے پوچھو تو کہ اللہ کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو جنہیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ڈرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ 'بتلاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں۔ تمام ملک کا مالک وہی ہے۔ ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا ہے۔ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمہیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی نہ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کرو۔ اچھا نہ سہی اپنے مسلک پر کوئی اور دلیل علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو

جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو۔ اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نفی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی۔ ایک قرأت میں اَوْ اَثَرَةٌ مِّنْ عِلْمٍ یعنی کوئی صحیح علم کی نقل انگوں سے ہی پیش کرو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ۔ مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے۔ راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے یہ حدیث مرفوع ہے۔ حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں مراد بقیہ علم ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کر دو ان اور بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کوئی خاص علم۔ اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ
إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ ۖ وَإِذَا حُشِرَ
النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۖ

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ○ اور جب لوگوں کا حشر کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے ○

(آیت: ۵-۶) پھر فرماتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور اس سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے پورا کرنے کی ان میں طاقت ہی نہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے قیامت تک یہ پکارتے رہیں لیکن وہ غافل ہی ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں محض بے خبر ہیں نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں عبادات میں سے ہیں۔ قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو یہ معبودان باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے۔ جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے وَاتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لِّعَنِ ان لُّوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنار کھے ہیں تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے۔ یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا تھا اِنَّمَا اتَّخِذْ نَمُ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَوْ نَانَا یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہاری جگہ جہنم میں مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔

وَإِذَا نُسِّلَى عَلَيْهِمُ الْإِنْتَابُ بَيَّنَّتْ قَالِ الذِّينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۖ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ
افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا
تَفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ

الرَّحِيمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنَّا أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آچکی کھہر دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ○ بلکہ کھہر دیتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود بنالیا ہے تو کھہر میں ہی اسے بنالیا تو تم میرے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اظہار حق کرنے والا وہی کافی ہے اور وہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○ تو کھہر دے کہ میں کوئی نیا پیغمبر تو نہیں۔ نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں ○

نبی اکرم ﷺ کا اظہار بے بسی ☆ ☆ (آیت ۷-۹) مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انہیں اللہ کی ظاہر و باہر واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کھہر دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تلمذ و افتراء و ضلالت و کفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کھہر کر ہی بس نہیں کرتے بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے پس نبی کی زبانی اللہ جواب دلو اتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنایا ہے اور میں اس کا سچا نبی نہیں تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذابوں سے چھڑا سکے۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ إِنِّي لَنْ يُغَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدًا الخ، یعنی تو کھہر دے کہ مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے سر کرنے کی جگہ مل سکے گی لیکن میں اللہ کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجالاتا ہوں اور جگہ ہے وَلَوْ نَقُولُ عَلَيْنَا الخ، یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا، تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا، پھر کفار کو دھمکا دیا جا رہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم اللہ کو ہے وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اس کی دھمکی کے بعد انہیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور و رحیم ہے اگر تم اس کی طرف رجوع کرو اپنے کرتوت سے باز آؤ تو وہ ابھی تمہیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا۔ سورہ فرقان میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا الخ، یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں اور صبح شام لکھا ہی جا رہی ہیں تو کھہر دے کہ اسے اس اللہ نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں دنیا میں کوئی پہلا نبی تو نہیں، مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے پھر میرے آنے سے تمہیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے بعد آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الخ اتری ہے۔ اسی طرح حضرت عکرمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت قتادہؓ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت بخشش اتری جس میں فرمایا گیا تاکہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابیؓ نے کہا حضورؐ یہ تو اللہ نے بیان فرمادیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت لِيَذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ حَتَّىٰ تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اتری یعنی تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث سے بھی یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو فرمائیے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ضحاکؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا حکم دیا جاؤں اور کس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس

آیت سے مراد یہ ہے کہ آخرت کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا، ہاں دنیوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاء کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں۔

امام ابن جریرؒ اسی کو معتبر کہتے ہیں اور نبی اکو واقع ہے بھی یہ ٹھیک۔ آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہوگا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کئے جائیں گے یا ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے حضرت ام العلاءؓ فرماتی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ آئے آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے جب ہم آپ کو کفن پہننا چکے اور حضورؐ بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابوالسائب! اللہ تھو پر رحم کرے میری تو تجھ پر گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کرے گا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا اکرام ہی کرے گا۔ میں نے کہا حضورؐ پر میرے ماں باپ خدا ہوں، مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا سنو ان کے پاس تو ان کے رب کی طرف کا یقین آپ پہنچا اور مجھے ان کے لئے بھلائی اور خیر کی امید ہے، قسم ہے اللہ کی باوجود رسول ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا اللہ کی قسم اب اس کے بعد میں کسی کی برأت نہیں کروں گی اور مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک نہر بہہ رہی ہے میں نے آ کر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں اور اس کی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقع کے لحاظ سے ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی معین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہئے۔ ہجران بزرگوں کے جن کا نام لے کر شارع علیہ السلام نے انہیں جنتی کہا ہے۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور عمیصا اور بلال اور سراقہ اور عبد اللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بئر معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم کہہ دو کہ میں تو صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو اللہ کی جانب سے میری جانب آئے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں ہر عقلمند میرے منصب سے باخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي اِسْرَءٰٓءِٓلَ عَلٰٓی مِثْلِهٖ فَاَمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ شَوْقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهِ فَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا فِكٌّ قَدِيْمٌ ۝۱۱

تو کہہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو

بیشک اللہ تعالیٰ ستم گر گروہ کو راہ نہیں دکھاتا ○ کافروں نے ایمانداروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنا نہ پاتے اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی تو یہ کہہ دیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے ○

تابع قرآن جنیتوں کے حالات: ☆ ☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن سچ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی کچھ سزائیں کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہو اسے جھوٹا بتلاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا۔ لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا۔ یہ بھی مطلب بیان ہو گیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کر لیا لیکن تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ شاہد کا لفظ ہم جنس ہے اور یہ اپنے معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سلام سے پہلے کی ہے اسی جیسی آیت یہ بھی ہے وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا أَمَّا بِهِنَّ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّهُنَّ مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ لَخَ لِيُتْلَىٰ جَن لُوكُوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا پس و پیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں۔ مسروقؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ نہیں اس لئے کہ آیت مکہ میں اترتی ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور ﷺ کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا۔ ہجر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی کے بارے میں آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ نَازِلٌ هُوَی (صحیحین وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؓ ضحاکؓ قتادہؓ عکرمہؓ یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ ہلال بن بشارؓ سدیؓ ثوریؓ مالک بن انسؓ ابن زبیرؓ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلامؓ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے کے درجے کے لوگ جیسے ہلالؓ عمارؓ صہیبؓ خبابؓ اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے۔ پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازا۔ حالانکہ یہ قول بالبداهت باطل ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر اللہ نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے۔ پس یہ خیال ان کا تو خام تھا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابہ رسولؐ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اس لئے کہ اگر انہیں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی۔ چونکہ اپنی بد نصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن کی لہانت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ یعنی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ
 لِّسَانًا عَرَبِيًّا يُنْذِرُ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝
 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ
 خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے سچا کرنے والی عربی زبان میں تاکہ تم کروں کو ذرا دے اور نیک کاروں کو بشارت ہو ○ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھر اسی پر جبرے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ٹنکین ہوں گے ○ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا ای میں رہیں گے ان اعمال کے بدلے جو کیا کرتے تھے ○

(آیت ۱۲-۱۳) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام و رحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ یہ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے ڈراوا ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کی پوری تفسیر سورہ حم السجدہ میں گذر چکی ہے۔ ان پر خوف نہ ہوگا۔ یعنی آئندہ اور یہ غم نہ کھائیں گے یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں ان کے پاکیزہ اعمال تھے ہی ایسے کہ رحمت رحیم، کرم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلا دھار بارش برسا سیں۔ واللہ اعلم۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا
 وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمَلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ
 أَشَدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۖ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ
 نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ ۖ وَأَنْ أَعْمَلَ
 صَالِحًا تَرْضَاهُ ۖ وَأَصْلَحَ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ
 وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنماں اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قوت زمانہ کو چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اسی نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○

والدین سے بہترین سلوک کرو: ☆☆ (آیت: ۱۵) اس سے پہلے چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کے اخلاص کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک

میں موجود ہیں، جیسے فرمایا وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ ایک اور آیت میں ہے إِنَّ الشُّكْرَ لِي وَلِلْوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا لوٹنا تو میری ہی طرف ہے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ان سے بہت وضع پیش آؤ۔

ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر لے۔ حضرت سعدؓ کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوادیے اس پر یہ آیت اتری۔ یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے ماں نے حالت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورۃ لقمان کی آیت وَفَضَّلَهُ فِي عَامَيْنِ اور اللہ عز وجل کا فرمان وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْتَمِ الرِّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ حضرت معمر بن عبد اللہ جہنیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا۔ اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ و زاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم مخلوق اللہ میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برافعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی وَحَمْلُهُ وَفَصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا اور ساتھ ہی یہ آیت بھی حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واللہ! یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال اس طرف نہیں گیا جاؤ اس عورت کو لے آؤ۔ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت معمرؓ فرماتے ہیں واللہ ایک کو دوسرے کو سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

یہ روایت دوسری سند سے فَاَنَّا أَوَّلَ الْعَابِدِينَ کی تفسیر میں ہم نے وارد کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہیں اور جب سات مہینے میں ہو تو مدت رضاعت تیس ماہ اور

جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدت رضاءت دو سال کامل اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت میں مہینے ہے۔ جب وہ اپنی پوری قوت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا، جوانی کی عمر میں پہنچ گیا، مردوں کی گنتی میں آیا اور چالیس سال کا ہوا، عقل پوری آئی، فہم کمال کو پہنچا، حلم اور بردباری آگئی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت سروقہؓ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ تو فرمایا جب تو چالیس سال کا ہو جائے تو اپنے بچاؤ سہیا کر لے۔ ابوبعلی موصلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف جھلکا نصیب فرماتا ہے اور جب ستر سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں اس کا قیدی ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے، ابو امیہ کو دمشق گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم و حیا سے چھوڑا تھا اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات خداوندی سے حیاتی تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے بچپن میں نا سچگی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ۔ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا میرے پروردگار میرے دل میں ذال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرا اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے اللہ کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہئے۔

ابوداؤد میں ہے کہ صحابہ کو حضور التحیات میں پڑھنے کے لئے اس دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَابْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاَجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُتَمِّنِيْنَ بِهَا عَلَيكَ قَابِلِيْهَا وَاتِمِّمْهَا عَلَيْنَا یعنی ”اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ذال اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہیں دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچالے خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہوئی ہو اور ہمیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کے باعث اپنا شاکر خواں اور نعمتوں کا اقراری بنا اور اپنی بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ تَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيْ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوعَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے ہم درگزر کر لیتے ہیں جتنی لوگوں میں ہیں مطابق اس سچے وعدے کے جو ان سے

کیا جانتا تھا

(آیت: ۱۶) پھر فرماتا ہے یہ جن کا بیان گذرا جو اللہ کی طرف توبہ کرنے والے اس کی جناب میں جھکنے والے اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں انہیں کثرت استغفار سے پالینے والے ہی وہ ہیں جن کی اکثر لغزشیں ہم معاف فرمادیتے ہیں اور ان کے تھوڑے نیک اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں ان کا یہی حکم ہے۔ جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے حضور بروایت روح الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے گا پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرمالیتا ہے۔

دوسری سند میں یہ بفرمان اللہ عز وجل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بہت پختہ ہے۔ حضرت یوسف بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ پر غالب آگئے اس وقت میرے ہاں حضرت محمد بن حاطب رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمارؓ حضرت صعیصہؓ حضرت اشترؓ حضرت محمد بن ابوبکرؓ بھی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَلْحَقْمَ اللّٰهِ كِيَ لَوْ كَا ذ رَاس آیت میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے ساتھی تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا کچھ تمہیں اللہ کی قسم تم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم اللہ کی میں نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سنا ہے۔

وَالَّذِي قَالَ لِيٰوَالِدِيْهِ اِفِّ لَكُمْ اَتَعِدِنِيْ اَنْ اُخْرِجَ وَقَدْ خَلَتِ
الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا يَسْتَغِيْثُنِ اللّٰهَ وَيَلِيْكَ اَمِنْ ؕ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۷
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۸

جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے تو میں تنگ آ گیا کیا تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا باوجودیکہ مجھ سے پہلے بھی قرون گذر چکے ہیں ○ وہ دونوں جناب باری میں فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایماندار بن جا بیٹک اللہ کا وعدہ حق ہے ○ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے عذاب کا وعدہ صادق آ گیا مجملہ ان جنات اور انسانوں کے گروہ کے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ○

اس دنیا کے طالب آخرت میں محروم ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے

رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بد بختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں انہیں باتیں سناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن کے حق میں نازل ہوئی ہے، جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباس بیان کرتے ہیں، جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے اس لئے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے، بعض اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سمجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ کیا ہر قل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلہ والوں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہؓ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے بچوں پر رحم کھا کر کیا۔ یہ سن کر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقؓ نے یہ سن کر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمن سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔

بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاک دامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری نسا کی روایت میں ہے کہ اس خطبے سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا حضرت عائشہ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس خدائی لعنت کا بقیہ ہے۔ یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں خدائے تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا، مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس دوسری زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گزر گئے لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا، ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا اب بھی مسلمان بن جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گزشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہاں لفظ اولئک ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ الذی ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کا فر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مکرر جی اٹھنے کا منکر ہے۔ ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ

چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے جو کسی مسکین کو بہکائے کہے کہ آؤ تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعون سے کہے سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کامکان کون سا ہے؟ کسی دوسرے کامکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائیں اور چیخ پکار کرنے لگیں۔

وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالُهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبَتْ طَبِيبَتُكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

جو یقیناً نقصان یافتہ تھے۔ اور ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور جس دن کفار جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی بردار کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے ہیں آج تمہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی اسی باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۱۹-۲۰) پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کھڑے کئے جائیں گے انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا میں ہی وصول کر چکے ان سے فائدہ وہیں اٹھالیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے مجھے خوف ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمائے گا۔ حضرت ابو جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے۔ جیسا عمل ویسا ہی بدلہ ملا۔ دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمدن مشغول رہنے والے تھے تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔

وَإِذْ كَرَّ أَخَاعِدٌ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتْ
النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

عادوں کے بھائی کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ

کے کسی اور کی عبادت نہ کر ڈیٹیک میں تو تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں ○

قوم عاد کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت: ۲۱) جناب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں علیہ السلام والصلوٰۃ - انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے احقاف جمع ہے ہف کے ہف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روٹیں ڈالی جاتی ہیں یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قدادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعاما نگے تو اپنے نفس سے شروع کرے اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے ارد گرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَآبِئِنَّ يَدْيَهَا وَمَا خَلَقَهَا اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ ضِعْفًا

قَالُوا اجْتَنِبْنَا لِنَأْفِكَنَا عَنْ إِلَهِنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَكُمُ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۲﴾

قوم نے جواب دیا کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش سے باز رکھیں؟ ○ پس اگر آپ سچے ہیں تو جن عذابوں کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں انہیں ہم پر لاؤ ○ حضرت ہوڈ نے کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم نادانی کر رہے ہو ○

(آیت: ۲۲-۲۳) پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا۔ جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرات کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو۔ اب عذاب الہی آ گیا انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ایران کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہوڈ سے یہ طلب کر رہے تھے۔ وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھیجنے کی بربادی ہونے والی تھی جس میں نہس کرنا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم ملتا تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے مَا نَذِرُ مِنْ شَيْءٍ اَنْتَ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلْنَاهُ كَالرَّيْمِ یعنی جس چیز پر وہ گزر جاتی تھی اسے چوراچرا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی بچ نہ سکا۔ پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی

خلاف ورزی کریں۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث بکریؓ کہتے ہیں میں علاء بن حضری کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا۔

ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیالی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے! میرا ایک کام اللہ کے پیغمبر سے ہے کیا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھالیا اور مدینہ شریف پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کچھ کھینچ بھری ہوئی ہے، سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضور اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا، اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہو۔ اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیارا سے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلاؤ چنانچہ وہ آگئیں میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے، اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ! آپ کا معطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ کلبھازی ماری مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضور اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا، یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے اور اس کی دونوں کینروں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا، پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ خدایا تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں، الہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالَ وَهَذَا عَارِضٌ
مِّمَّنْ رَّأَيْتُمْ أَفَلَا اسْتَعَجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ
تَذَمَّرُ كُلُّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسْكَنُهُمْ
كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا جو ان کے میدانوں کا رخ کئے ہوئے تھا تو کہنے لگے یہ ابرہم پر برسنے والا ہے (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابروہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، گنہگاروں کے گرد وہ کوہم یونی سزا دیتے ہیں ○

(آیت: ۲۴-۲۵) چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ

اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا۔ اسی وقت ان میں سے آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگلی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسے کہ سورۃ اعراف کی تفسیر میں گذرا۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ہلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں، آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابراہمتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابرو باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابراہمتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْہِ ”خدا یا میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے۔“ پس اگر کھل جاتا تو اللہ عز و جل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ صَبِّاْ نَافِعًا ”خدا یا اسے نفع دینے والا اور برسنے والا بنادے۔“

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا فِیْہَا وَخَیْرَ مَا اَرْسَلْتَ بِہِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّہَا وَشَرِّ مَا فِیْہَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلْتَ بِہِ ”یا اللہ! میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔“ اور جب ابراہمتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا، کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے، جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکر مندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورۃ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہود کا پورا واقعہ گذر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے۔ فَلَہُ الْحَمْدُ وَالْمُنَہُ۔ طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگلی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور باد یہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے ہوا کے خزانچوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ ٹکل جا رہی تھی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ مَكَّيْهُمْ فَيَمَّا اِنْ مَّكَّيْكُمْ فِيْہِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا
وَاَبْصَارًا وَاَفِیْدَةًۢ فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ
وَلَا اَفِیْدَتُهُمْ مِنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰہِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَا كَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ

مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا
نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۚ بَلْ
ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَلِكِ إِفْكَهُمُ وَمَا كَانُوا يَفْقَرُونَ ﴿٢٨﴾

بالمیقن ہم نے قوم عاد کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان آ نکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچایا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی ○ یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں تباہ کر دیں اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں ○ پس قرب الہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے بلکہ دراصل یہ ان کا محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا ○

مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی ☆ ☆ (آیت ۲۶-۲۸) ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال و اولاد وغیرہ - ہماری طرف سے دیئے گئے تھے وہی تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں ان کے بھی کان آ نکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذابوں کا مذاق اڑایا تو بالآخر ان کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ان کے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ - پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ! تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست و نابود کر دی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے کثرت کے بدلے پائے ہیں - احقاف جو یمن کے پاس ہے حضر موت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو تمہارے اور شام کے درمیان شودیوں کا جو حشر ہوا اسے دیکھو اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سب کے نتیجہ پر غور کرو تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو، بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کر دوہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے - پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیں اور آیتوں کو خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آ سکیں - پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے سوا جن جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی، گو اس میں ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ اس کی وجہ سے ہم قرب الہی حاصل کریں گے لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ گم ہو گئے ان سے بھاگ گئے ان کا پیٹہ بھی نہ چلا - الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی، غرض جھوٹ تھا اور صاف افتراء اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے میں اور نقصان میں ہی رہے - واللہ اعلم -

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ
فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصَتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
مُنذِرِينَ ﴿٢٩﴾

اور یاد کر جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے پس جب نبی کے پاس پہنچ گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ پھر جب ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو آ گاہ کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے ○

طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الہی سنا، شیطان بولھلایا: ☆☆ (آیت: ۲۹) مسند امام احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے، رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے ارد گرد بھڑکی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے، تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوة میں بروایت ابن عباس مروی ہے کہ نہ تو حضورؐ نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا، آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے، ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔

شیاطین نے آکر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے، جاؤ تلاش کر لو پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ ﷺ سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کی نماز پڑھا رہے تھے ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے، ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سورۃ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

مسند میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنات وحی الہی سنا کرتے تھے ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دس اور ملالیا کرتے، پس وہ ایک تو حق نکلتا باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے۔ پس جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے۔ انہوں نے آکر ابلیس سے یہ شکایت کی تو اس نے کہا کہ کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکروں کو اس کی تحقیقات کے لئے چو طرف پھیلا دیا، انہوں نے نبی ﷺ کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر اسے خبر دی۔ اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ ﷺ کو نہ تھی جب آپ پر وحی آئی تب آپ نے یہ معلوم کیا۔ سیرت ابن اسحاق میں محمد بن کعب کا ایک لمبا بیان مرفوع ہے جس میں حضورؐ کا طائف جانا انہیں اسلام کی دعوت دینا، ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس جنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے ”اللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوا ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ أَنْتَ الرَّحْمَنُ الرَّاحِمِينَ وَأَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي إِلَى مَن تَكِلُنِي إِلَى عَدُوٍّ بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي أَمْ إِلَى صَدِيقٍ قَرِيبٍ مَلَكَتْهُ أَمْرِي إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا أَبَالِي غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِي أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَفَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَنْ يُنْزَلَ بِي غَضَبُكَ أَوْ يَحُلَّ بِي سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ“ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کسمپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے، میرا پالنا بھی تو ہی ہے تو مجھے کس کو سوچ رہا ہے کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قرب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہوا اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پروا نہیں، لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھ تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے تجھ سے اس

بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے۔‘ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گزاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیحتیں کے جنوں نے آپ کو سنا، یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تاہل طلب ہے اس لئے کہ جنات کا کلام اللہ شریف سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانے کا ہے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابوطالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے، جیسے کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گفتگو کی ہے جن میں سے ایک کا نام زولیعہ ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے ان کی موجودگی کا حضورؐ کو علم نہ تھا، یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے، اس کے بعد بطور وفد فوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آ رہے ہیں ان شاء اللہ۔ بخاری مسلم میں ہے حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت مسروقؓ سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضورؐ سے قرآن سنا تھا اس رات کس نے حضورؐ سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھ سے تیرے والد حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے ان کی آگاہی حضورؐ کو ایک درخت نے دی تھی تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو واللہ اعلم۔

امام حافظ تہجدی فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا، جیسے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس کی روایتیں سنئے۔ حضرت علقمہؓ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضورؐ کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا، آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر باز بار بھی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا، خدا نخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو وہ رات ہماری بڑی بری طرح کنی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا، جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا چنانچہ آپ ہمیں لے کر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔‘ شعیؓ کہتے ہیں انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا تو عامر کہتے ہیں یعنی مکے میں اور یہ جن جزیرے کے تھے تو آپ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجانہ کرو یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضورؐ کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے اور حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا، آپ مجھے لے کر چلے، جب مکہ شریف کے اونچے کے حصے میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر

جماعت آپ کے ارد گرد ٹھٹھا لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کی قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے باقی رہ گئے پس حضور صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ جہاں حضور نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو بٹھایا تھا وہاں بٹھا کر فرما دیا تھا کہ خبردار یہاں سے ٹکنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں۔ لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضور نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے تو خوف تھا کہ ان میں سے بعض تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہا ہاں لوگ تھے سنا انجان خوفناک سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا پس میں نے ہڈی اور لید کو بردیا۔ میں نے پوچھا حضور اس سے انہیں کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسی ہو جائے گی جیسی اس وقت تھی جب کھائی گئی تھی یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں بھی وہ وہی دانے پائیں گے جو اس روز تھے جب وہ دانے کھائے گئے تھے پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے نکل کر ہڈی لید اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے حضور نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں۔ اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کہ نکلا انا بھی۔ اس میں مسعود فرماتے ہیں دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا ہڑدھام ہو گیا تو ان کے سرداران نے کہا یا رسول اللہ! میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضور نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضور پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبید ہے تو حضور نے فرمایا عمدہ مہجوریں اور پاکیزہ پانی (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)

مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ تو پینے کی اور پاک چیز ہے مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس چڑھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا حضور کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے۔ یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوة میں بھی ہے اس میں ہے کہ میں نے یہ سن کر کہا پھر یا رسول اللہ! اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جائیے۔ آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابو بکر کو۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی۔ میں نے وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا۔ میں نے خلیفہ مقرر کرنے کو کہا آپ نے پوچھا کسے؟ میں نے کہا عمر کو (رضی اللہ عنہ) اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال جواب ہوئے اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تو آپ فرمانے لگے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں گے، لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا۔ وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ اس لئے کہ آپ کا آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا جب کہ دین الہی میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں داخل ہو گئیں اور سورہ

اذا جاء الخ' اتر چکی جس میں آپ کو خبر انتقال دی گئی تھی جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر موافقت ہے۔ جو حدیثیں ہم اسی سورت کی تفسیر میں لائیں گے ان شاء اللہ واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند بھی غریب ہے اور سیاق بھی غریب ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرہ موصل کے تھے ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعودؓ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر قد و قامت وغیرہ دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمان رسول یاد آ گیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلتا۔ جب حضورؐ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آ جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت واذ صرفنا الخ' میں ہے نینوی کی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن سناؤں تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا؟ اس پر سب خاموش ہو گئے دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلہ ہذیل کے شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تیار ہوئے حضورؐ انہیں ساتھ لے کر جن کی گھاٹی میں گئے۔ ایک لکیر کھینچ کر انہیں یہاں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آ رہے ہیں تھوڑی دیر بعد بڑا غل غپاڑہ سنائی دینے لگا یہاں تک کہ مجھے حضورؐ کی ذات پر ڈر لگنے لگا۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو میں نے کہا کہ حضورؐ یہ شور و غل کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا جس میں یہ مختلف تھے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضورؐ نے قصداً جا کر جنات کو قرآن سنایا انہیں اسلام کی دعوت دی اور جن مسائل کی اس وقت انہیں ضرورت تھی وہ سب بتا دیئے ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا اس وقت آپ کو نہ معلوم تھا نہ آپ نے انہیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا جیسے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس کی بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضورؐ عداً تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت نہ تھے جب کہ آپ نے ان سے بات چیت کی انہیں اسلام کی دعوت دی۔ البتہ کچھ فاصلہ پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے کہ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے اور جن میں ہے کہ نہ تھے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے دوسری مرتبہ تھے۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی مروی ہے کہ نخلہ میں جن جنوں نے آپ سے ملاقات کی تھی وہ نینوی کے تھے اور مکہ شریف میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے اور یہ جو راہتوں میں آیا ہے کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی اس سے مراد ابن مسعود کے سوا اور صحابہؓ ہیں جنہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضورؐ جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں۔ لیکن یہ تاویل ہے ذرا دور کی واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضورؐ کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ پانی کی ڈوپچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابو ہریرہؓ ہوں۔ فرمایا میرے استنجے کے لئے پتھر لاؤ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضورؐ کیا وجہ ہے جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرمادیا؟ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گزریں اسے طعام پائیں۔

صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد

آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا۔ اب ہم ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے مروی ہے، ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے انہیں اللہ کے رسولؐ نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر جنات کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے، نصیبین کے تھے۔ ان میں سے رسول اللہ ﷺ نے تین کو اہل حراں سے کہا اور چار اہل نصیبین سے، ان کے نام یہ ہیں۔ حسی، حسانسی، ساحز، ناصر، الار دو بیان الاحتم۔

ابو حزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں انہیں بنو نصیبان کہتے ہیں، یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ نو تھے ان میں سے ایک کا نام ردلیع تھا، اصل نخلہ سے آئے تھے۔ بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر آئے تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے۔ ان سب میں تحقیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کی ایک آئے تھے ممکن ہے کہ کسی میں چھ سات نو ہی ہوں، کسی میں زیادہ کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ اس پر دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہوگی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی، ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے جو ایک حسین شخص گذرا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانہ میں ان لوگوں کا کاہن تھا، جانا ذرا اسے لے آنا، جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا، وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا، اس نے کہا بہت اچھا سننے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کا کاہن تھا، میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنئے۔ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا جو وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا، کیا تو نے جنوں کی بربادی، مایوسی اور ان کے پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی درگت نہیں دیکھی؟ حضرت عمرؓ نے لگے یہ سچا ہے، میں ایک مرتبہ ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا، ایک شخص نے وہاں ایک بچہ چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پر زور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے علیؑ انجأت دینے والا امر آچکا، ایک شخص ہے جو فصیح زبان سے لا الہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہی بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ کیا ہے؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا۔ پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی ﷺ کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آوازیں اس ذبح شدہ بچہ سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ آ بھی گیا ہے۔ لیکن باقی امور وائیتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا۔ واللہ اعلم۔ امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہ کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا۔ جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے، واللہ الحمد والمنة۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر نبویؐ پر ایک مرتبہ خطبہ بنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد بن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہا، اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے ابھی یہ باتیں ہو رہی تھی جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ سناؤ۔

آپ نے فرمایا سنئے میں ہند گیا ہوا تھا میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا میں اس وقت سویا ہوا تھا مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے سمجھ لے اور سوچ لے قبیلہ لوی بن غالب میں سے اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں میں جناب کی حس اور ان کے بور یہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً اس کے کی طرف کوچ کر سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظر تو ڈال لے مجھے پھر غنودگی سی آگئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب! اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو۔

دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسے پر تعجب معلوم ہوتا ہے اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو کسے کا قصد کر۔ سمجھ لے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دموں کی طرح نہیں تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب آ رہا ہے وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جارہے ہیں ان میں کے برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو مومن جنات کافروں کی طرح نہیں تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتاً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور کی وقعت اور محبت سے دل پر ہو گیا میں نے اپنی ساڈنی پر کچادہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال۔ مجھے دیکھے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبر نے فرمایا سواد بن قارب کو مر جبا ہو آؤ ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو۔ میں نے کہا حضور میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو۔ تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے ”میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کر تا یہاں تک پہنچ ہی گیا اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں اور آپ اللہ کے امانتدار رسول ہیں آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد! اے تمام رسولوں سے بہتر رسول! جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبعیت کے خلاف کیوں نہ ہو ناممکن کہ ہم اسے نال دیں آپ قیامت کے دن ضرور میرے سفارشی بننا کیونکہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہوگا؟“ اس پر حضور بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پائی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی ترے پاس آتا ہے اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی اور اب جس حدیث کو ہم حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوة سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضور کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن غیلان ثقفی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضور ہوا تھا اس رات حضور کے ساتھ آپ بھی تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنائیے۔ فرمایا صفد والے مساکین صحابہ گولوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس حضور کا گدرا ہوا پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا کہ تم بھی کھا لیتے؟ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں لے گیا۔ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ

ہولیا، آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھہر گیا تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضورؐ فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی، تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ۔ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول اللہؐ آپ کو یاد فرما رہے ہیں ساتھ ہولیا اور مجھے امید پیدا ہوگئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضورؐ گھر سے باہر تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک ترچھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا جو اللہ نے چاہا ہو، تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا، تھوڑی دیر میں بقیع غرقہ جا پہنچے پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایت میں گذر چکا ہے اس کی سند غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل البیہوتہ میں حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا، تین مرتبہ فرمان پر بھی کوئی نہ بولا۔ حضورؐ میرے پاس سے گذرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے مدینہ کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل کر صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے اب نیزوں کے برابر لائے لائے قد کے آدمی نیچے نیچے پڑے ہوئے آئے شروع ہوئے۔ میں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعودؓ کے بیان کیا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔

اسی کتاب میں ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ ابراہیمؑ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم تو سب جاؤ میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں دیکھوں تو اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی جو وہ سانپ مر گیا، میں نے ایک سفید کپڑا لے کر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا۔ اللہ کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں ان میں سے ایک نے پوچھا عمر و کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا کہ کون عمر و؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے دفن کیا ہے کہنے لگی قسم ہے اللہ کی تم نے بڑے روزے دار بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کو نبی ہونے سے چار سو سال پیشتر آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی۔ ابراہیمؑ کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا اس عورت نے سچ کہا۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا میری نبوت کے چار سو سال پہلے یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں جو حضورؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا۔ ابو نعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگ میں تھا میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعض سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے پس میں نے ایک ایک کو گھونگھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبیلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفن دیا اب میں چلا

جا رہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے اللہ کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ بنو شعبان اور بنو قیس میں سے تھے ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہیں میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی وحی الہی سنی تھی۔ حضرت عثمان اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص! اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنئے! ارشاد ہے کہ جب ہم نے تیری طرف جنات کے ایک گروہ کو پھیرا جو قرآن سن رہا تھا۔ جب وہ حاضر ہو گئے اور تلاوت شروع ہونے لگی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے سورۃ رحمان کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے جب بھی میرے منہ سے انہوں نے آیت فَبَآئِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ سنی انہوں نے جواب میں کہا وَلَا بَشَىءٌ مِّنَ الْآلِئِكَ أَوْ نَعْمَ لَكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔

پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی۔ قضی کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ اور فَقَضَهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اور فَإِذَا قُضِيَتْهُنَّ مَنَاسِكُكُمْ وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے۔ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ الخ یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کر دیں بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کر لیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں بھی اللہ کی باتوں کو پہچاننے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے۔ یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں ہیں۔

فرمان باری ہے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا خ یعنی ”ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے“ اور آیت میں ہے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَّا كُلُّونَ الطَّعَامِ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔“ ابراہیم ظلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت قرآن میں ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ یعنی ”ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں۔“ لیکن سورۃ انعام کی آیت يَمْشُونَ الْحَرَّى وَالْأَنْسَ الْأَمَّ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یعنی ”اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم سے رسول نہیں آئے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں پس اس کا مصداق ایک جنس ہی ہو سکتی ہے جیسے فرمان ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا الذُّنُورُ وَالْمَرْجَانُ یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے۔“

قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ
يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزَّكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ وَمَنْ لَا يُجِبْ

دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٥﴾

کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی رہبری کرتی ہے ○ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہنا تو اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا ○ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہنا مانے گا پس وہ زمین میں کہیں بھاگ کر اللہ کو تھکا نہیں سکتا اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے یہ لوگ کلی گمراہی میں ہیں ○

ایمان دار جنوں کی آخری منزل: ☆ ☆ (آیت: ۳۰-۳۲) اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ کو پورا کرنے والی تھی۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے۔ حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے، پس اصل چیز توراۃ ہی رہی، اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضورؐ کی زبانی حضرت جبریل علیہ السلام کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہ تو وہ مبارک وجود اللہ کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے، کاش کہ میں اور کچھ زمانہ زندہ رہتا، الخ۔ پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے، وہ اعتقادی مسائل اور اخباری مسائل میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے۔ قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب، پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی۔ جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے لحاظ سے بالکل پورا ہی ہے۔ اور آیت میں اللہ جانہ و تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ وَهُوَ اللَّهُ جَس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے، پس ہدایت نفع دینے والا علم ہے اور دین حق نیک عمل ہے یہی مقصد جنات کا تھا۔ پھر کہتے ہیں اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو۔ اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ جن و انس کی دونوں جماعتوں کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے جنات کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے، یعنی سورۃ الرحمن۔ پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ من کو زائد نہ مانیں، چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقع پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذابوں سے رہائی دے گا۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملے گی ہاں عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مومن جن اسے ضرور بیان کر دیتے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مومن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ اہل بیت کی اولاد سے ہیں اور اولاد اہل بیت جنت میں نہیں جائے گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ مومن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کا

مذہب ہے بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لَمْ يَطْمِئِنُّوا قَبْلَهُمْ وَلَا جَاؤُا بِهِنَّ كَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لَكَ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ لَكُمْ بِشَيْءٍ مِنْهُمْ فِي سَاعَةِ الْمُلُوكِ إِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (سورۃ احقاف: ۲۶)۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے وَلَمِنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ فَبَآئِ الْآءِ رَبِّكُمْ تَنْكِدُونَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (سورۃ احقاف: ۲۷)۔ دو جہنمیں ہیں پھر اے جنو اور انسانو! تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کے نیک کار کا بدلہ جنت ہے اور اس آیت تو سن کر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکر یہ مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ اللہ ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے انکاری نہیں، ہم تیرے بہت بہت شکر گزار ہیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو اصل نہیں ملنے کا نہیں۔ اور ابھی ہماری ایک دلیل سنئے جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مومن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے جو مقام فضل ہے بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے مَثَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَأَنَّ لَهُمْ جَنَّتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا وَغَيْرُهَا وَغَيْرُهَا یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔ الحمد للہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر دیا ہے۔ اور سنئے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس میں بے حد و حساب جگہ بچ رہے گی اور پھر ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انہیں اس میں آباد کیا جائے گا پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایماندار اور نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں اور سنئے یہاں باتیں بیان کی گئی ہیں گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخول جنت کو۔ اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نص صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مومن جن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں نہیں جائیں گے اگر کوئی اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بیشک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ واللہ اعلم۔

نوح علیہ السلام کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں اللہ تمہارے گناہوں کو (بوجہ ایمان لانے کے) بخش دے گا اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے گا۔ تو یہاں بھی دخول جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوح کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بچ جنت میں تو یہ پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں پئیں گے نہیں صرف تسبیح و تہلیل و تہلیل ان کا طعام ہوگا جیسے فرشتے، اس لئے کہ یہ بھی انہیں کی جنس سے ہیں، لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں۔ پھر مومن واعظ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ زمین میں اللہ کو برا نہیں سکتا، بلکہ قدرت الہی اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے اس کے عذابوں سے انہیں کوئی بچا نہیں سکتا، یہ کھلے بسکاوے میں ہیں خیال فرمائیے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر مؤثر ہے رغبت بھی دلائی اور دھوکا بھی اسی لیے ان میں سے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ جیسے کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گزار ہیں واللہ اعلم۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ
إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ
كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے ○ بے شک وہ ایسا ہی ہے وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔ اللہ فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے کے عذاب کا مزہ چکھو ○

(آیت ۳۳-۳۴) اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں، یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کل آسمانوں اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا بلکہ صرف ”ہو جا“ کے کہنے سے ہی ہو گئیں، کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے، کیا اتنی کامل قدرت و قوت والا مردوں کو زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے لَخَلَقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری اور مشکل اور بہت بڑی اہم پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے سمجھ ہیں۔ جب زمین و آسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا خواہ ابتدا ہو خواہ دوبارہ ہو اس پر کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرتا ہے کہ اس پر بھی وہ صحیح طور پر قادر ہے۔ پھر اللہ جل و علا کافروں کا دھمکتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ پھر لا جواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک و شبہ اور انکار و تکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا قسم اللہ کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اللہ فرمائے گا۔ اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ
لَهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً
مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلْعَلَّ يَهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے یہ ہے پیغام پہنچا دینا بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا ○

(آیت ۳۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا، آپ کی قدر نہ کی، آپ کی مخالفت کی

ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے؟ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کہ کیسی کیسی ایذائیں، مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا، ان رسولوں کے نام یہ ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہم اجمعین۔ انبیاء کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورہ احزاب اور سورہ شوریٰ میں مذکور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا مِّن بیان جنس کے لئے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا، پھر بھوکے ہی رہے پھر روزہ رکھا، پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہؓ اور آل محمدؓ کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں۔ عائشہؓ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کئے گئے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی۔ قسم اللہ کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر و سہار سے ہی کام لوں گا اللہ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبی! یہ لوگ غذا بول میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اَلْحِجَّہُ مجھے اور ان جھٹلانے والوں پیٹ بھروں مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے۔ اور فرمان ہے فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ یعنی کافروں کو مہلت دو، انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو۔ پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیں گے جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں اس دن انہیں یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذرا ہے۔ اور آیت میں ہے۔ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحًى یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھہرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کے لئے ہے۔ یہ کھلی تبلیغ ہے۔ پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں کے اور کسی کو ہلا کی نہیں۔ یہ اللہ جل و علا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا سے ہی وہ ہلاک کرتا ہے عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور اپنے آپ کو مستحق عذاب کر دے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورہ محمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنِ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَرُوْا عَنْهُمْ سَبَیَاتِهِمْ وَاَصْلَحَ
بِالْهَمِّ ذٰلِكَ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اتَّبِعُوا الْبَاطِلَ وَاِنَّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ
لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ

شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے اور اس پر بھی یقین کیا جو محمد پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف کا سچا دین بھی وہی ہے اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ○ یہ اس لئے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے ○

(آیت: ۱-۳) ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ان کی نیکیاں بیکار ہو گئیں جیسے فرمان ہے ہم نے ان کے اعمال پہلے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے، یعنی ظاہر باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور اس وحی الہی کو بھی مان لیا جو موجودہ آخر الزمان پیغمبر پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سر اس حق و صداقت ہی ہے ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے۔ حدیث کا حکم ہے کہ جس کی چھینک پر حمد کرنے کا جواب دیا گیا ہوا ہے چاہئے کہ يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بِاَلْكُم كہے یعنی خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوار دے۔ پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دیئے کی اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دیئے اور ان کی شان سوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن ناحق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضْرِبِ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَا
اَخْتَشَمُوْهُمْ فَشُدُّوْا الْوَتَاْقَۃَۙ فَاَمَّا مِّنَّاۤ بَعْدُ وَاَمَّا فِدَاۗءٌ
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَاۙ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ
مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوْا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالُهُمْ

جب کافروں سے گھمسان کارن پڑ جائے تو گردنوں پر وار مارو۔ جب ان کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کر دو پھر اختیار ہے کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا بدلہ لے کر تافکیر لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن اس کی حاجت یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا ○

جب کفار سے میدان جہاد میں آمناسا منا ہو جائے: ☆ ☆ (آیت: ۴) یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیئے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے ٹکرائے ہو جائے دسی لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ، تلواریں چلا کر گردن دھڑ سے اڑا دو۔ پھر جب دیکھو کہ دشمن ہار اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقی ماندہ کو مضبوط قید و بند کے ساتھ مقید کر لو جب لڑائی ختم ہو چکے، معرکہ پورا ہو جائے پھر تمہیں اختیار ہے کہ قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے ہی چھوڑ دو اور یہ بھی اختیار ہے کہ ان سے تاوان جنگ وصول کرو پھر چھوڑ دو۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قید کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا اور فرمایا تھا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ اَسْرٰى الخ، نبی کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین

مہند احمد اور سائیکس میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں۔ حضور نے انہیں فرمایا اب لڑائی آگئی مہری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی جن لوگوں کے دل نیز ہوں جو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے روزیاں دے گا یہاں تک کہ خدا کا امر آجائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ مومنوں کی زمین شام میں ہے۔ گھوڑوں کی ایال میں قیامت تک کے لئے خدا نے خیر رکھ دی ہے۔ یہ حدیث امام بغوی نے بھی وارد کی ہے اور حافظ ابو نعیم موصلی نے بھی۔ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے گویا کہ یہ حکم مشروع ہے جب تک کہ لڑائی باقی رہے اور اس حدیث نے بتلایا کہ لڑائی قیامت تک باقی رہے گی یہ آیت مثل اس آیت کے ہے وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ لِّلْخَالِقِ، یعنی ان سے لڑتے رہو جب تک کہ فتنہ باقی ہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا ہے اور بعض سے مروی ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوششیں خدا کی اطاعت میں صرف کرنے لگ جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیج دیتا لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزمائے اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ سورۃ آل عمران اور برأت میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ آل عمران میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الْخَالِقِ، کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے کہ خدا جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۃ برأت میں ہے قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ الْخَالِقِ، ان سے جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کرے گا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے دلوں سے نکالنے کا انہیں موقع دے گا اور جس کی چاہے گا تو یہ قول فرمائے گا اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مومن بھی شہید ہوں

اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے۔ بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسے اس کا جنت کا مکان دکھلایا جاتا ہے اور نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے۔ وہ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔ اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر دو قار کا تاج رکھا جاتا ہے۔ جو دو یا قوت کا جڑاؤ ہوتا ہے جس میں کا ایک یا قوت تمام دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے۔ اسے بہتر حور عین ملتی ہیں اور اپنے خاندان کے سرشخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے صحیح مسلم شریف میں ہے سوائے قرض کے شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں شہیدوں کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۖ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کا علاج کر دے گا ○ اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے ○ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا ○ اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا ○ یہ اس لئے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے یہ ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے ○

(آیت: ۵-۹) پھر فرماتا ہے انہیں خدا جنت کی راہ سمجھا دے گا۔ جیسے یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ رَحْمَةً، یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں ان جنتوں کی طرف رہبری کرے گا جو نعمتوں سے پر ہیں اور جن کے چپے چپے میں چشمہ برہے ہیں۔ اللہ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا اور جن جنتوں سے پہلے ہی وہ آگاہ چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہنمائی کر چکا ہے آخر انہی میں انہیں پہنچائے گا۔ یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہچان لے گا جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا۔ انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی یہ معلوم ہوگا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا وہی اس کے آگے آگے چلے گا جب یہ اپنی جگہ پہنچے گا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہو جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا۔ صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مومن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت کے دوزخ کے درمیان ایک پل روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی قسم خدا کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے پھر فرماتا ہے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔

جیسے اور جگہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اللَّهُ فَرَاغَ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے اس لئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے اسی جنس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبوط کر دے گا حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جمادے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ حدیث میں ہے دینار زہم اور کپڑے لئے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا۔ وہ اگر بیمار پڑ جائے تو خدا کرے اسے شفا بھی نہ ہو ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث سے ناخوش ہیں نہ اس کی عزت وعظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد وتسليم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ نے انہیں بھی عارت کر دیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهُمْ
ذَٰلِكَ بَآيَاتِ اللَّهِ لِمُؤْمِنِي الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنَّ الْكَافِرِينَ لَا
مَوْلَىٰ لَهُمْ

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں ○ یہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں ○

تمام شہروں سے پیارا شہر: ☆ ☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو چھٹلا رہے ہیں زمین کی سیر نہیں کی؟ جو یہ معلوم کر لیتے ہیں اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں کہ ان سے اگلے جوان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت وتاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام وایمان والے ہی نجات پاسکے کافروں کے لئے اسی طرح کے عذاب آیا کرتے ہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے مسلمانوں کا خود خدا ولی ہے اور کفار بے ولی ہیں۔ اسی لئے احوال دن مشرکین کے سردار ابوسفیان صحر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی ﷺ اور آپ کے دونوں غلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہو گئے پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خارجی طرح ٹھکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدر کے بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر۔ تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں میں نے ایسا حکم نہیں دیا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے کہنے لگا اَعْلُ هُبْلُ اَعْلُ هُبْلُ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے پوچھا حضور کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اللَّهُ اَعْلَىٰ وَ اَجَلُّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت و کرم والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزَّىٰ وَلَا عُزَّىٰ لَكُمْ ہمارا عزی (بت) ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں فرمان حضور کہا گیا اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَكُمْ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا مولا کوئی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ

كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَكَأَيِّنْ مِنْ
 قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ
 أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۖ

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ منکر ہوئے ہیں وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپاؤں کے کھا رہے ہیں ان کا اصل ٹھکانا تو جہنم ہے ○ ہم نے کتنی ایک بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے بہت زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا ہے ہلاک کر دیا ہے جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا ○

(آیت ۱۲-۱۳) پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں تو خواہ کچھ یونہی سانس اٹھالیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے اسے یہ لوگ مثل جانوروں کے پورا کر رہے ہیں جس طرح وہ ادھر ادھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہے اسی طرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں پیٹ بھرنا مقصود ہے۔ حدیث شریف میں ہے ”مومن ایک آنٹ میں کھاتا ہے اور کافر سات آنٹوں میں جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گونا گوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار کہہ دو دھمکا تا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جن بستیوں والے تم سے بہت زیادہ طاقت و قوت والے تھے ان کو ہم نے بہ برب ہمارے نبیوں کے جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے تمہیں نہیں کر دیا تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذا نہیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ہیں سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا؟ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اخروی زبردست عذاب تو تم سے دور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو نکالا اور آپ نے غار میں آکر اپنے تئیں چھپایا اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ! تو تمام شہروں سے زیادہ پیارا خدا کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ پس تمام حد سے گزر جانے والوں میں سب سے بڑا حد سے گزر جانے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے حرم خدا میں۔ یا اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت اتاری۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ
 وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا
 أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ
 وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى
 وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ كَمَنْ
 هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۖ

کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دُجیل پر ہوا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کے لئے اس کا برا کام زینت دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟ ○ اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کو بڑی لذت ہے اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں نکلے نکلے ہو جائیں گی ○

دودھ پانی اور شہد کے سمندر ☆ ☆ (آیت ۱۴-۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دین خدا میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو فطرت صحیحہ کے ساتھ ساتھ ہدایت و علم بھی ہو وہ اور وہ شخص جو بد اعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہو جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا ہو وہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جیسے فرمان ہے ”أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ“ یعنی ”یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے“۔ اور ارشاد ہے لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ الْفَائِزُونَ“ یعنی ”جنہی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اور اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں جو کبھی بگڑتا نہیں، متغیر نہیں ہوتا، سڑتا نہیں نہ بدبو پیدا ہوتی ہے بہت صاف موتی جیسا ہے کوئی گدلا پن نہیں کوڑا کرکت نہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بارمہ پر ذائقہ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا ہوا بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں، دماغ کشادہ کر دیں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بد منظر ہے۔ بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار جس سے نہ عقل میں فورا آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ منہ سے بدبو آئے نہ بک جھک لگے نہ سر میں درد ہو نہ چہرہ آئیں نہ بھکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں۔ جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی کھيوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ پانی، شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردودہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک خوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر پر حمان کا عرش ہے۔

طبرانی میں ہے حضرت لقیط بن عامر نے وہ جب وفد میں آئے تھے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جنت میں کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والے دودھ کی نہریں اور شراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات، عجیب و غریب بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی۔ دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں یہ نہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھل پھول ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ”يَذْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ“ الخ، یعنی ”وہاں نہایت امن و امان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے اور آیت میں ہے ”كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٍ“ الخ، دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میووں کے جوڑ ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے۔ انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھکا ہی نہیں۔ جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھلس رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقع پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی جو دراصل آگ ہی ہے لیکن بہ شکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ ایک گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا اس کا اس کا کیا میل؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی؟ کہاں نعمت کہاں زحمت؟ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ
قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَالَّذِينَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَاتَّبَعُوا تَقْوَاهُمْ ۖ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا
السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَإِنِّي لَهُمْ
إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرُهُمْ ۖ فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَاسْتَغْفِرُ
لِذُنُوبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ۖ

ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تیری طرف کان لگائے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کدھنی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے اچھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ○ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہیں ہدایت میں بڑھادیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ○ پس یہ تو صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے پس یقیناً اس کی بھی عطا تیں تو آ چکی ہیں پھر جبکہ ان کے پاس قیامت آ جائے انہیں نصیحت حاصل کرنا ہوگا ○ سوائے نبیؐ تو یقین کر لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں کی بخشش مانگا کر اور مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی اللہ تمہاری آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے ○

بے وقوف، کند ذہن اور جاہل: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۹) منافقوں کی کدھنی اور بے علمی، نا سمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے، کلام الرسول سن لینے کے پاس بیٹھے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں پھر اللہ عز و جل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود خدا بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب

فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے۔ تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں جیسے اور موقع پر ارشاد ہوا ہے **هَذَا نَذِيرٌ مِنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ** الخ یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قیامت آچکی ہے اور بھی ارشاد ہوتا ہے **اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قِيَامَتٌ قَرِيبٌ** ہوگئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا **اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ** الخ لوگوں کا حساب قریب آ گیا پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں پس حضور کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے کہ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کمال کیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور علیہ السلام نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرمادیں کہ آپ سے پہلے کے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئی ہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں حضور کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں۔ **نبی التوبۃ نبی الملحہ**، حاشر جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں، عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت و عبرت کیا سود مند ہوگی؟ جیسے ارشاد ہے **يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ** اس دن انسان نصیحت حاصل کر لے گا لیکن اس کے لئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی **آن** کے دن کی عبرت بے سود ہے۔ اور آیت میں ہے **وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَادُ شُ مِنْ مَّكَانٍ** بَعِيدٍ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے حالانکہ اب انہیں ایسے دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے؟ یعنی ان کا ایمان اس وقت بے سود ہے پھر فرماتا ہے اے نبی! جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے کوئی اور نہیں، یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی یہ تو ہونیں سکتا کہ اللہ اس کے علم کا حکم دیتا ہو۔ اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں کا اور مومن مرد و عورت کے گناہوں کا استغفار کرو۔

صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَاسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطِيئِي وَعَمْدِي وَكُلَّ ذَالِكَ عِنْدِي** یعنی ”اے اللہ! میری خطاؤں کو اور میری جہالت کو اور میرے کاموں میں مجھ سے جو زیادتی ہوگئی ہو اس کو اور ہر اس چیز کو جسے تو مجھ سے بہت زیادہ جاننے والا ہے بخش۔ اے اللہ! میرے بے قصد گناہوں کو اور میرے عزم سے کئے ہوئے گناہوں کو اور میری خطاؤں کو اور میرے قصد کو بخش اور یہ تمام میرے پاس ہے۔“ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ اپنی نماز کے آخر میں کہتے **”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** یعنی ”اے اللہ! میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے تو ہی میرا اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنے رب کی طرف توبہ کرو پس تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر بدن ستر بار سے بھی زیادہ۔ منہ احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن سرخس فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا پھر میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کو بخشے۔ آپ نے فرمایا اور تجھے بھی تو میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اپنے

گناہوں اور مومن مردوں اور باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر پھر میں نے آپ کے دامن کھوے یا یا میں ہتھیلی کو دیکھا وہاں کچھ جگہ ابھری ہوئی تھی جس پر گویا تل تھے۔ اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابویعلیٰ میں ہے حضور نے فرمایا تم لا الہ الا اللہ کا اور استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑو اور انہیں بکثرت کہا کرو اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے ان دونوں کلموں سے ہلاک کیا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو انہیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا خدایا! مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے میں اسے بہکا تا رہوں گا پس اللہ عز وجل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں۔ استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ یعنی ”اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتا ہے“۔ اور آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عِنْدَ رَبِّهِ لَكُتَابٌ مِمَّا كَسَبَتْ یعنی ”زمین پر جاننے والے ہیں ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور فن ہونے کا مقام جانتا ہے یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں“۔ ابن جریج کا یہی قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے۔ سدی فرماتے ہیں تمہارا چلنا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے لیکن اول قول ہی اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟ پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو ○

ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے: ☆ ☆ (آیت ۲۰) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد کو فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل فرما دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ الْقِتَالِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن لوگوں سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ تو کہہ کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر بالکل ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھار کر اس طرح تجھے دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا۔

طَاعَةُ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ
خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي
الْأَرْضِ وَتُقْطِعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَلَّى أَبْصَارَهُمْ ۚ

پس بہت بہتر تھا ان کے لئے فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا پھر جب کام مقرر ہو جائے تو اگر اللہ سے سچ رہیں تو ان کے لئے بہتری ہے ○ اور تم سے یہ بھی
بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناٹے تو زوال ○ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھینکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی
روشنی چھین لی گئی ○

(آیت: ۲۱-۲۳) فرماتا ہے ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعاً جاتا معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے
ساتھ جہاد کر کے اپنے غلوں کا ثبوت دیتے پھر فرمایا قریب ہے کہ تم جہاد سے رک رہو اور اس سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ
رحمی توڑنے لگو یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے۔ پس فرمایا ایسوں پر خدا کی پھینکار ہے اور یہ رب کی طرف
سے بہرے اندھے ہیں۔ اس میں زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ
رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں قربت داروں سے بات چیت میں کام کاج میں سلوک و احسان کرنا اور
ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں مروی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھرا ہوا اور جن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات
ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے نوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا۔ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تیرے ملانے والے کو
میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث
حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقْطِعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ ابوداؤد ترمذی ابن
ماجرہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو یہ نسبت
سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میرے نزدیک قربت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں
انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا
میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہو اور یاد رکھ کہ جب تک
تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہی ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ بخاری وغیرہ میں ہے حضور نے فرمایا صلہ رحمی
عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناٹنے ناٹنے
والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹتا جائے وہ تجھ سے ملتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی اس کی رانیں ہوں گی
مثل ہرن کی رانوں کے وہ بہت صاف اور ستھری ہوں گی۔

اسے ملاتا تھا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمان کی طرف سے ہے اس کے ملانے والے کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خدا خود توڑ دیتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۚ إِنَّ الَّذِينَ
ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ
الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ
كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
إِسْرَارَهُمْ ۚ

کیا یہ قرآن میں غور و تامل نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں ○ جو لوگ اپنی پیٹھ پر الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے ○ یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا ہے یہ کہا کہ ہم بھی غفیر بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے ○

حضور فرماتے ہیں اللہ عز و جل نے فرمایا ہے میں رحمان ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے۔ اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روئیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں، عملی کام گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو، دلی بغض و عداوت ہو، رشتے دار رشتے دار سے بدسلوکی کرے، اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے، سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی کرنے اور منہ پھیر لینے سے روکتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ غور و تامل تو کجا ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں کوئی کلام اس میں اثر بھی نہیں کرتا، اندر جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اُس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک خدا نہ کھولے اور الگ نہ کرے پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس کا رد کوئی ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا، جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبرائیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لیکن یہ باتیں

اس خدا سے تو چھپ نہیں سکتیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہو جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ ۚ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا اسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ
فَاحْبِطْ أَعْمَالَهُمْ ۝

پس ان کی کیسی درگت ہوگی جبکہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی کمرؤں پر مار ماریں گے ○ یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو بیزار کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا پس اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے ○

(آیت: ۲۷-۲۸) پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ فرشتے ان کی روئیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روئیں جسموں میں جھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً اذانِ جہنم اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے۔ جیسے ارشاد باری ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ ۚ یعنی ”کاش کہ تو دیکھتا جبکہ ان کافروں کی روئیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر کئے مارتے ہیں“۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ الْخ ۖ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف مارنے کے لئے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو! آج تمہیں ذلت کے عذاب کئے جائیں گے اس لئے کہ تم خدا کے ذمے ناقص کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں میں تکبر کرتے تھے“۔ یہاں ان کا گناہ بیان کیا گیا کہ ان کاموں اور باتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے خدا ناخوش ہو اور خدا کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَن لَّنْ يُخْرِجَ اللَّهُ
أَضْغَانَهُمْ ۖ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ
فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ
نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۖ وَنَبْلُوَنَّكُمْ بِأَخْبَارِكُمْ ۝

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کیٹوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا ہے اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ذہب سے ہی پہچان لے گا، تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں ○ یقیناً ہم تمہارا امتحان کرنے کے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو صاف معلوم کر لیں گے اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کریں گے ○

منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو: ☆ ☆ (آیت: ۲۹-۳۱) یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بد باطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورہ برأت میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضو رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی۔ اَضْغَان جمع ہے ضغن کی ضغن کہتے ہیں دلی

حد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتلائیں دیا تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے ان کے عیوب پوشیدہ رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی انہیں صاف پہچان لو گے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے اور توبہ تر ہے۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی ففاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دہرائے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی تعیین آچکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جا۔ اے فلاں! کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا ”تم میں“ یا ”تم میں سے“ منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے۔ پھر فرمایا ہے ہم علم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خوب آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباس اس جیسے مواقع پر لنعلم کے معنی کرتے تھے لنری یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ لَنَ يَصْرِوْا اللَّهَ شَيْئًا
وَسَيَحْبُطُ أَعْمَالُهُمْ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ فَلَا
تَهْنُؤُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ
يَبْتَزَّكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۚ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ یقیناً ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے عتق رب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا ○ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اور لوں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے یقین کر لو کہ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا ○ پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر اس حال میں نہ آؤ کہ تم ہی بلند و غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے ○

نیکوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی: ☆ ☆ (آیت ۳۲-۳۵) اللہ سبحانہ و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے راہ خدا کی

بندش کرنے والے رسول کی مخالفت کرنے والے بدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے خدا کا تو پیچھے نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی چہرہ ہوتے ہیں۔ کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی۔ جس طرح نیکیاں کتاہوں کو بنا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بدترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کا خیال تھا کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر آیت اُطِيعُوا اللَّهَ اَتِىَ ابِصَابِ رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں۔

دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اُتِى اَتِى تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز کبیرہ گناہ اور برائیاں ہیں یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الْخُفَا نَا زِلْ ہوتی۔ اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مردہ ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ خدا سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے خدا کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو! تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں زور و غلبہ میں تعداد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جبکہ کافروقت میں تعداد میں اسباب میں تم سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر معاہدہ کر لیا۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَاِنِ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
يُوْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ؕ اِنْ يَسْأَلْكُمْ مَوْهَا
فِيْخْفِكُمْ تَبْخُلُوْا وَيَخْرِجْ اَضْغَاثَكُمْ ؕ هَا اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ
تُدْعُوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَّبْخُلُ
وَمَنْ يَّبْخُلْ فَاِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمْ
الْفُقَرَاءُ ؕ وَاِنِ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا
يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ ؕ

زندگانی دنیا تو صرف کھیل کود ہے اگر تم یقین کرو گے اور بچ کر چلو گے تو اللہ تمہیں ثواب دے گا وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگا ○ اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس وقت بخیلی کرنے لگو گے اور وہ بخیلی تمہارے کسے ظاہر کر دے گی ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ بلائے جاتے ہو کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو

پھر تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں جو غل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نئی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر اور محتاج ہو اور اگر تم روبرو اس ہو جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لالے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے ○

سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات: ☆ ☆ (آیت: ۳۶-۳۸) دنیا کی حقارت اور اس کی قلت و ذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز کھیل تماشے کے اور کچھ حاصل حصول نہیں ہاں جو کام خدا کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے تمہارے بھلے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں اس نے تمہیں جو خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غرباء و فقراء کی پرورش ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد ولی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا مال کے نکالنے میں۔ یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب ہو جاتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر براں گذرتا ہے۔ پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرتا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ صدقہ کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم بھی رہے گا۔ اللہ سب سے شفیق ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں۔ غناء اللہ تعالیٰ کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے نہ یہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسی نہ ہوگی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار نافرمانیوں سے پرہیز نہیں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم اکردین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے۔ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض ائمہ جرح تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے واللہ اعلم۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ قتال کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ فتح

(تفسیر سورۃ فتح) صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر ہی سورۃ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ذرہ نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کر کے تمہیں سنا دیتا۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ۚ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیْكَ صِرَاطًا
مُّسْتَقِیْمًا ۙ وَ یَنْصُرْكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۙ

شروع اللہ نہایت مہربان و رحم والے کے نام سے ○

بیشک اے نبی! ہم نے تجھے ایک ظاہر فتح دی ہے ○ تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے رہے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور تجھ پر اپنا احسان پورا کرے پورا کرے اور تجھے سیدھی راہ چلائے ○ اور تجھے ایک زبردست مدد دے ○

(آیت ۱-۳) ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ کو چلے لیکن راہ میں مشرکین مکہ نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے پھر وہ لوگ صلح کی طرف جھکے اور حضورؐ نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے ان سے صلح کر لی جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی جس میں خاص قابل ذکر ہستی حضرت عمر فاروقؓ کی ہے آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت کی تفسیر میں آ رہا ہے ان شاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ تم تو فتح فتح مکہ کو کہتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ حدیبیہ کو فتح کہتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقع پر تھے حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا ہم نے اس میں سے پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا تھوڑی دیر میں پانی بالکل ختم ہو گیا ایک قطرہ بھی نہ بچا آخر پانی کے نہ ہونے کی شکایت حضورؐ کے کانوں تک پہنچی آپ اس کنویں کے پاس آئے اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا جس میں کلی بھی کی پھر کچھ دعا کی اور وہ پانی اس کنویں میں ڈلوا دیا تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ تو پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا ہم نے بھی پیا جانوروں نے بھی پیا اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضورؐ کو تکلیف دی آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمان سے نہ نازل ہو چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ناکر رہا ہے میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضورؐ یاد فرماتے ہیں اب تو میرے ہوش گم ہو گئے کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا جلدی جلدی حاضر حضورؐ ہوا تو آپ نے فرمایا گزشتہ شب مجھ پر ایک سورت اتری ہے جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا الْخَنْجَارَ کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الْخَنْجَارُ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی۔ صحابہؓ آپ کو مبارکباد دینے لگے اور کہا حضورؐ یہ تو ہوئی آپ کے لئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِيَذْجَلَ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ عِظَمِ مَا نَزَلَ نازل ہوئی (بخاری و مسلم)

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قاری قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جا رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے معلوم ہوا کہ حضورؐ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تھی۔ ایک صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے یہ فتح ہے۔ خیبر کی تقسیم صرف انہی پر کی گئی جو حدیبیہ میں موجود تھے اٹھارہ حصے بنائے گئے کل لشکر پندرہ سو کا تھا جس میں تین سو گھوڑ سوار تھے پس سوار کو دو ہر حصہ

ملا اور پیدل کواکبرا - (ابوداؤد وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گزارنے کے لئے ہم اتر کر سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی سوئے ہوئے ہیں ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے کہ آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے۔ اسی سفر میں حضور کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں کیل انک گئی ہے اور وہ رک کی کھڑی ہے اسے کھول کر حضور کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتایا کہ آپ پر سورہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ اَتْرٰی ہے (ابوداؤد نسائی، مسند احمد وغیرہ)

حضور کو نفل تہجد وغیرہ میں اس قدر وقت لگاتے کہ پیروں پر روم چڑھ جاتا تو آپ سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمادیئے؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں اللہ کا شکر گزار غلام نہ بنوں؟ (بخاری و مسلم) اور روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں (مسلم)

پس مبین سے مراد کھلی صریح صاف ظاہر ہے اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی لوگوں میں امن و امان ہوا مومن کافر میں بول چال شروع ہو گئی علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقع ملا آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی یہ آپ کا خاصہ ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں اس میں حضور کی بہت بڑی شرافت و عظمت ہے آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی استقامت اور فرمانبرداری الہی پر مستقیم تھے ایسے کہ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔

آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اکمل انسان اور دنیا اور آخرت میں کل اولاد آدم کے سردار اور رہبر تھے اور چونکہ حضور سب سے زیادہ اللہ کے فرمانبردار اور سب سے زیادہ اللہ کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا اسے ہاتھوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے دوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمت کی ہتک نہ ہو پس جب آپ نے اللہ کی مان لی صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عز و جل نے فتح کی سورت اتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دین قدیم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپ کے خشوع خضوع کی وجہ سے اللہ نے آپ کو بلند و بالا کیا آپ کی تواضع فروتنی عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عز و جا و مرتبہ و منصب عطا فرمایا آپ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا چنانچہ خود آپ کافر مان ہے بندہ درگزر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا
 إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ
 اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
 وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ وَيُعَذِّبُ الْمُتَفَقِّينَ وَالْمُتَفَقِّتِ
 وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ
 السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ
 مَصِيرًا ۝

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں آسمانوں اور زمین کے کل لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ دانایا حکمت ہے ○ انجام کار یہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن کے نیچے چشمے برہے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی کا حاصل کر لینا ہے ○ اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانیاں رکھنے والے ہیں دراصل انہی پر برائی کا پھیرا ہے اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے ○

اطمینان و رحمت: ☆ ☆ (آیت: ۴-۶) سکینہ کے معنی ہیں اطمینان، رحمت اور وقار۔ فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن با ایمان صحابہؓ نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی بات مان لی، اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔ اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی کمی نہیں، وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا۔ ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد اور بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا، لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے، اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ صحابہؓ نے جب حضورؐ کو مبارک باد دی اور پوچھا کہ حضورؐ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ مومن مرد و عورت جنتوں میں جائیں گے جہاں چپے پر چپے نہ پر نہیں جاری ہیں اور جہاں وہ ابد الا باد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے بلکہ معاف فرما دے درگزر کر دے، بخش دے، پردہ ڈال دے، رحم کرے اور ان کی قدر دانی کرے دراصل یہی اصل کامیابی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا فَمَنْ رُحِرَ عَنْ الشَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ یعنی ”جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔“ پھر ایک اور وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ اس لئے بھی کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد و عورت جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں یہ ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا اس جنگ میں فتح

گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس برائی کا دائرہ انہی پر ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہے یہ رحمت البلیہ سے دور ہیں ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

وَاللّٰهُ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾
اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا وَّ مُّبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهِ وَتَعَزَّزُوْهُ وَتُقِرُّوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

اور اللہ ہی کے لئے لشکر آسمانوں اور زمین میں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ﴿۷﴾ یقیناً ہم نے تجھے اظہار حق کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۸﴾ تاکہ اسے مسلمانوں اتم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام ﴿۹﴾

(آیت ۷:) دوبارہ اپنی قوت قدرت اپنے اور اپنے بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔

آنکھوں دیکھا گواہ رسول اللہ ﷺ ﴿۷﴾ ☆ ☆ (آیت ۸-۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں مخلوق پر شاہد بنا کر مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا کافروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس آیت کی پوری تفسیر سورہ احزاب میں گذر چکی ہے۔ تاکہ اے لوگو! اللہ پر اور اس کے نبی پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت و احترام کرو بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صبح شام تسبیح کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تعظیم و تکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔

جیسے ارشاد ہے مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کا کہا مانا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یعنی وہ ان کے ساتھ ہے ان کی باتیں سنتا ہے ان کا مکان دیکھتا ہے ان کے ظاہر باطن کو جانتا ہے پس دراصل رسول کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا اللہ اشترى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ النِّجَاحَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے وہ راہ اللہ میں جہاد کرتے ہیں مرتے ہیں اور مارتے ہیں اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی سمجھ لو کہ اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہوگا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے دراصل سچی کامیابی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے راہ اللہ میں تلوار اٹھالی اس نے اللہ سے بیعت کر لی۔ دوسری حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضور نے فرمایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا اس کی دوا نکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ
فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ
عَلَيْهِ اللّٰهُ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

عَلَيْهِ

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو

شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے مغرب اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا ○

(آیت: ۱۰) پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا، اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھائے وہ بڑا ثواب پائے گا یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو چودہ سو یا پندرہ سو تھی، ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف میں ہے ہم اس دن چودہ سو تھے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اس پانی کی سوتیں اٹنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے پانی تھا نہیں، حضورؐ نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا، انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنویں میں اسے گاڑ دیا، اب تو پانی جوش کے ساتھ اٹنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو، لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا، بخاری کی روایت میں ہے کہ ”پندرہ سو تھے“ حضرت جابرؓ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابرؓ کا پہلا قول تھا، پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا، اور چودہ سو فرمانے لگے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سو پندرہ سو تھے۔ لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے۔ اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول ﷺ اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے، ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ۔ ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے۔ ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے۔ بخاری و مسلم جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کنی سو تھے جیسے ابھی آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کر قریش کے سرداروں سے کہلوائیں کہ حضورؐ کو اتنی بھڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! میرے خیال سے تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں، یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے، آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں، مجھے تو وہ زندہ ہی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا، آپ جا ہی رہے تھے کہ راستے میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گیا اور اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھالیا، اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گیا، آپ قریش کے بڑوں کے پاس گئے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ اگر آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کر لوں، اب ان لوگوں نے جناب عثمان ذوالنورین کو روک لیا، ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا گیا، اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ کے رسول کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی، ایک درخت تلے یہ بیعت الرضوان ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مرجائیں گے۔ لیکن حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے

نہیں۔ جتنے مسلمان صحابہ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے بہ رضا مندی بیعت کی سوائے جد بن قیس کے جو قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا۔ یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا، پھر حضورؐ کو اور صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ غلط تھی اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمروؓ حویطب بن عبد العزیٰ اور مرکز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا، یہ لوگ ابھی یہیں تھے کہ بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ آمنے سامنے ہو گئے، ادھر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ وغیرہ کو روک لیا ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسول کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے، آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ، اب کیا تھا مسلمان بے تابانہ دوڑے ہوئے حاضر حضور ہوئے، آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے، اس سے مشرکین کانپ اٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔ یہی قیام میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسولؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے رسولؐ کے کام کو گئے ہوئے ہیں پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی۔

پس حضرت عثمانؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہلے کرنے والے حضرت ابوسنان اسدی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضورؐ ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں بیعت کر لوں، آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہوا اس پر۔ آپ کے والد کا نام وہب تھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت نافعؓ سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا دراصل واقعہ یوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنے گھوڑے لے آؤ، اس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لاکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ بیعت لے رہے ہیں اب جناب فاروقؓ آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضورؐ پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جا کر حضرت عمرؓ کو خبر کی چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا، ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم مرنے پر بیعت کی تھی، آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضورؐ میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو چنانچہ میں نے قریب جا کر پھر بیعت کی۔

حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں، آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ

بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی، پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ جی میں نے بیعت کی آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تمہیں ہم نے جو ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! حضرت عامرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وارو کئے کی کوئی چیز نہیں میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی تو آپ بنے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ اے الہی! میرے پاس کسی کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ پھر اہل مکہ سے صلح کی تحریک کی آمدورفت ہوئی اور صلح ہو گئی میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خادم تھا ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے میں تو اپنا گھربا بال بچے مال و دولت سب راہ اللہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا۔ جب صلح ہو چکی ادھر کے لوگ ادھر ادھر آئے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ بٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے مجھے بڑا برا معلوم ہوا میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے، تھوڑی دیر گزری ہو گئی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصہ سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو! حضرت دہیم قتل کر دیئے گئے میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اسی درخت تلے گیا جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سراٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا جب وہ اسے مان چکے میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ادھر میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکرز نامی عیلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضور کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو برائی کی ابتدا بھی انہیں کے سر رہے اور پھر اس کی تکرار کے ذمہ دار بھی یہی رہیں۔ چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا اسی کا بیان آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ اَلْحُ میں ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ کے والد بھی اس موقع پر حضور کے ساتھ تھے آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی ہم معلوم نہ کر سکے کہ کس جگہ حضور کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی اب اگر تم پر یہ پوشیدگی کھل گئی ہو تو تم جانو۔ ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حضور نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب پر افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں اس جگہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضور کا فرمان ہے کہ ”جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا“ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب جنت میں جائیں گے مگر سرخ اونٹ والا ہم جلدی سے دوڑے دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا ہم نے کہا چل بیعت کر اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ میں اپنا گم شدہ اونٹ پالوں۔ مسند احمد میں ہے آپ نے فرمایا کون ہے جو شہید المرار پر چڑھ جائے اس سے وہ دور ہو جائے گا جو بنی اسرائیل سے دور ہوا پس

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا
وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْنَا يَقُولُونَ ﴿بِأَسْنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي
قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ
بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَسْرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ
إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ
ظَنَّ السَّوْءِ ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
فَإِنَّا عَتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿

جو بددی لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے تو اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے تو جواب دے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے ○ نہیں بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اسلام کا اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا دراصل تم لوگ بھی بلاست والے ○

مجاہدین کی کامیاب واپسی: ☆ ☆ (آیت ۱۱-۱۲) جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں

یہ تباہ ہو جائیں گے بال بچوں سے ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں مسودے گانٹنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بد باطن لوگ آ کر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضورؐ بال بچوں اور کام کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں ہماری جان تک حاضر ہے اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپؐ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپؐ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ سپرد اللہ ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے قطع اور بناوٹ سے؟ تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے ایک ایک عمل سے وہ باخبر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا۔ تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں رسولؐ کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسولؐ اور صحابہؓ کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے ان کی بھوسی اڑادی جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے ان بد خیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا تم دراصل برباد شدہ لوگ ہو کہا گیا ہے کہ بورا الفت عمان ہے جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنائے اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا گودنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَاءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے ○ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اللہ بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے ○

(آیت ۱۳-۱۴) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا درد ٹھکٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ذُرُوْنَا
نَتَّبِعْكُمْ يَّرِيْدُوْنَ اَنْ يُبَدِّلُوْا كَلِمَ اللّٰهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا
كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَاۤ اَبَلْ كَاثُوْنَا
لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا

جب تم غنیمتیں لینے کے لئے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے چاہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں تو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہرگز ہماری پیروی نہ کرو گے وہ اس کا جواب دیں گے کہ نہیں نہیں بلکہ تم ہمارا حسد کرتے ہو اصل بات یہ ہے کہ انہیں سمجھ بہت ہی کم ہے ○

مال غنیمت کے طالب: ☆ ☆ (آیت: ۱۵) ارشاد الہی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضورؐ کو اور ان صحابہؓ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مصیبت کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے، راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا، جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کتنھن وقت پر ساتھ نہ دیں اور آرام کے وقت مل جائیں۔ ان کی چاہت ہے کہ کلام الہی کو بدل دیں یعنی اللہ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا، تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ کے اس وعدے میں مل جائیں تاکہ وہ بھی بدلا ہوا ثوابت ہو جائے۔ ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الہی ہے فَإِنَّ رَجْعَكَ اللّٰهُ اِلٰی طَائِفَةٍ مِنْهُمْ اِلٰی، یعنی ”اے نبی! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو، تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو، لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورہ برأت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوہ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے۔

ابن جریرؒ کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو تم نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے۔ اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی نا سمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولَىٰ بِأَسْ
شَدِيدٍ ثِقَاتٍ لَّهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا
حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا ۚ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ
وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَُعَذِّبْهُ عَذَابًا
أَلِيمًا ۚ

تم پیچھے رہے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگ جو قوم کی جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا ○ اندھے پر کوئی

حرج نہیں اور نہ لنگرے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے درختوں سے چشمے جاری ہیں اور جو منہ پیچھے لے لے دھنک رہا کرے گا ○

(آیت: ۱۶-۱۷) وہ سخت لڑاکا قوم جن سے کرنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کون سی قوم ہے اس میں کسی اقوال میں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیفہ ہے چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک پیٹھی ہوئی ہوگی ان کے منہ مثل تہ بہ تہ دھانوں کے ہوں گے حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے ٹیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن اور ایک مذرورہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔

پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں۔ ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں۔ پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا

یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح نصیب فرمائی ○ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ○

چودہ سو ستھانہ اور بیعت رضوان: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت بول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت رضوان ہوئی تھی حضرت عبدالرحمن نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں

تھے ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسول خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پاسکیں انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو گویا تم اصحاب رسول سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرمایا ہے ان کی دلی صداقت، نیت و فاءور سننے اور ماننے کی عادت کو اللہ نے معلوم کر لیا پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔

یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح ہوا پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت و فتح و ظفر و اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہتسا مال غنیمت عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی کہ لوگو! بیعت کے لئے آگے بڑھو روح القدس آچکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضور ہوئے آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آیت لقد رضی اللہ الخ میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی تو ہم نے کہا عثمان بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اکل ناممکن ہے کہ عثمان ہم سے پہلے طواف کر لے کوئی سال تک وہاں رہے۔

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ
وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَآخِرَى لَمْ تَقْدُرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ
بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ مومنوں کے لئے یہ ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے ○ اور تمہیں اور غنیمتیں بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا اللہ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا

○ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

کفار کے بد ارادے ناکام ہوئے: ☆ ☆ (آیت: ۲۰-۲۱) ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنیمتیں ہیں۔ جلدی کی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے اس اللہ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بد ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا نہ مکے کے کافروں کے نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہمت نہ باردیں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو۔

بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سچی جاں نثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا جو تمہارے بس کی نہیں لیکن اللہ

خود تھماری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دے گا سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں۔ اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں نہیں تھا یا مکہ کی فتح ہے یا فارس اور روم کے مال ہیں یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔

وَلَوْ قَتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكُنتُمْ لَأَوَادِّبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا
وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ
عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو البتہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار ○ اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلا ہوا نہ پائے گا ○ وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا۔ اس کے بعد اس نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا تھا تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ○

(آیت ۲۲-۲۳) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل کو مٹا دیتا ہے جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو با سامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سروسامان تھے شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے میرے احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں ان میں صلح کرادی جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے کیا دنیا کے اعتبار سے اور کیا آخرت کے اعتبار سے۔ وہ حدیث یاد ہوگی جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ گزر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو ہانہ کر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا انہیں جانے دو ان کی طرف سے ہی ابتدا ہو اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو اسی بابت یہ آیت اتری۔

مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر تھمیا روں سے آراستہ جبل تعمیم کی طرف سے چپ چپاتے موقع پا کر اتر آئے لیکن حضورؐ غافل نہ تھے آپؐ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا سب گرفتار کر لئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپؐ نے ازراہ مہربانی ان کی خطا معاف فرمادی اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور نسائی میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ مرنے پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے ہم لوگ بھی آپؐ کے ارد گرد تھے اس درخت کی شاخیں حضورؐ کی کمر سے لگ رہی تھیں۔ حضرت علی بن ابوطالبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہیل بن عمروؓ آپؐ کے سامنے تھے حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھو ایسے پس آپؐ نے فرمایا باسمک

اللہم لکھو۔ پھر لکھایہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اس پر پھر سہیل نے آپؐ کا ہاتھ تھام کر کہا اگر آپؐ رسول اللہ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا۔ اس صلح نامہ میں وہی لکھوائے جو ہم میں مشہور ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اتنے میں تین جوان کفار تھیں یا بعد ان پڑے آپؐ نے ان کے حق میں بددعا کی، اللہ نے انہیں بہرا بنا دیا، ہم اٹھے اور ان سب کو گرفتار کر کے آپؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دیا ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا، لیکن باوجود اس کے آپؐ نے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت وهو الذی الخ نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے جب حضورؐ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی اے نبی اللہ! آپؐ ایک ایسی قوم کی ہستی میں جا رہے ہیں جو برسر پیکار ہیں اور آپؐ کے پاس نہ تو تھیں ہیں نہ اسباب۔ حضورؐ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے سب تھیں اور کل سامان منگوا لیا۔ جب آپؐ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپؐ کو روکا کہ آپؐ مکہ میں نہ آئیں، آپؐ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپؐ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہا ہے، آپؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے خالد! تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ کی تلوار ہوں اور اس کے رسولؐ کی اسی دن سے آپؐ کا لقب سیف اللہ ہوا۔ مجھے آپؐ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں، چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپؐ روانہ ہوئے، گھائی میں دونوں کی ٹڈ بھڑ ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جڑے، اسے مکے کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالدؓ واپس آ گئے لیکن پھر دوبارہ وہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا، اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا۔ وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا، اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا، اسی کا بیان آیت وهو الذی کف الخ میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضورؐ کی ظفر مندی کے کفار کو بھی بچا لیا تا کہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے، ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالدؓ مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلائے کے یہ اس دن سردار تھے، جیسے صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عمرہ القضاء کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضورؐ آئیں، غمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں، چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضورؐ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپؐ کو روکا، انہیں نہ آپؐ سے جنگ وجدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپؐ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو آپؐ جنگی حیثیت سے گئے تھے، لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے، پس اس روایت میں کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت واقع ہوئی ہے، خوب سوچ لینا چاہئے واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے ارد گرد گھومتے رہیں اور موقع پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں، یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے لیکن پھر حضورؐ نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپؐ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے، یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زینم کہا جاتا تھا حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے، مشرکین نے تیر بازی کر کے ان کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے کچھ سواران کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے گرفتار کر کے لے آئے، آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں، لیکن پھر بھی حضورؐ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت وهو الذی کف ایذیہم عنکم الخ نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا
 أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ
 تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ فِتْصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيَدْخُلَ اللَّهُ
 فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
 عَذَابًا أَلِيمًا ۝

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے لئے موقوف رکھے ہوئے جانوروں کو قربان گاہ تک پہنچنے سے روک دیا اگر (کے میں) چند مسلمان مرد و عورت ایسے نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم انہیں پامال کر ڈالو اور بے خبری میں ایک گناہ کے مرتکب ہو جاؤ (تو اسی وقت تمہیں لڑائی کی اجازت دے دی جاتی) یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اگر یہ مسلمان علیحدہ ہوتے تو یقیناً ہم ان میں سے کافروں کو الناک سزا دیتے ○

مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار: ☆ ☆ (آیت: ۲۵) مشرکین عرب جو قریش تھے اور جوان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانہ اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب ان کا بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں پوشیدہ راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان کے میں ایسے ہیں جو ان غالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعۃً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے کچے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور دیت بن جاتے۔ پس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو چھکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں۔ اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے اگر یہ الگ الگ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ کر دیتے اور ان کی بھوسی اڑا دیتے۔ حضرت جنید بن سبیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا ہمارے ہی بارے میں یہ آیت لَوْ لَا رِجَالٌ نازل ہوئی ہے ہم کل شخص تھے سات مرد و عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ مومن ان کافروں میں ملے جلتے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیے جاتے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
 فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْزَمَهُمْ

كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

جبکہ کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی ہٹ اور حمیت کو پختہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے پاس کی تسکین اور دل جمعی اپنے رسول اور ایمان والوں کو عطا فرمائی اور انہیں پرہیزگاری کی بات پر مجادیا دراصل یہی لوگ اس کے پورے حقدار صحیح طور پر اس کے قابل تھے اللہ ہر چیز سے پورا پورا واقف ہے ○

(آیت: ۲۶) پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت و حمیت و جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے سے انکار کر دیا حضور کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مومنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں مجادیا یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر جیسے ابن عباسؓ کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث موجود ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہ کہہ لیں جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر بوجہ حق اسلام کے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا إِنَّهُمْ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ یعنی ”ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے“ اور اللہ تعالیٰ جل ثناؤہ نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے یہ کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے عطاء فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ حضرت مسور فرماتے ہیں اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہے۔ حضرت زہریؓ فرماتے ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مراد ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت اس طرح ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ وَلَوْ حَمَيْتُمْ كَمَا حَمَوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ یعنی ”کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا“ جب حضرت عمرؓ کو آپ کی اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضور کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے

تھے اس پر جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سکھایا ہے وہ پڑھئے اور سکھائیے (نسائی)

”ان احادیث کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے“ مسند احمد میں حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا۔ ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے کل ساتھی آپ کے سات سو تھے ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا۔ آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعمیؓ نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ! قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراغ غمیم تک پہنچا دیا یہ سن کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا، کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آتا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی، قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ کی اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا اور ان سے مقابلہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمادے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمض کے پیچھے سے اس راستہ پہ چلیں جو ثنیۃ المراز کو جاتا ہے حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالدؓ والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضورؐ نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی ادھر حضورؐ جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی۔

حضورؐ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو، میں انہیں دوں گا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنویں میں گاڑ دو۔ اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا ابل پڑا تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بوہتا چلا جا رہا تھا۔ جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اتنے میں بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضورؐ کے بارے میں بڑی غلت کی، حضورؐ تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے اور اس کی عزت کرنے کو آئے ہیں، تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو۔ دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے، مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھیں۔ قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں آنے نہیں دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا۔ انہوں نے پھر مرکز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا۔ یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا، قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو خدا کی کاموں کی عظمت کرتی ہے اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی

کے نشان دار جانور آ جا رہے ہیں اور بوجہ رک جانے کے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں تو یہ تو وہیں سے بغیر حضورؐ کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو اللہ کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا۔

اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو! جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس آئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا ان کی بے عزتی کی ان پر تہمت رکھی ان سے بدگمانی کی میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آپہنچا۔ سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں آپ جانیے۔ اب یہ چلا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شوکت و شان کو آپ ہی توڑنے کے لئے سنے یہ قریشی ہیں آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں وہ اللہ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ اللہ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے ارد گرد کھڑے ہوئے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے بھی نہ ملیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا آپ اس وقت حضورؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے کہا جالات کی وہ چوستارہ ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے۔ تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا۔ اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی داڑھی میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نہ سہار سکے یہ حضورؐ کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے لوہان کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ تو حضورؐ کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بد زبان اور نیڑھا آدمی ہے حضورؐ نے اس پر تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہؓ ہے۔ تو کہنے لگا غدار تو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا۔

الغرض اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو فرمایا تھا اور یقین دلادیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسولؐ کس طرح حضورؐ کے پروانے بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے وضو کے پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص پلکتا ہے کہ وہ اسے لے لے۔ جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں اللہ کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ نامکن ہے۔ اب تم سوچ سمجھ لو اور اس بات کو باور کرو کہ اصحاب رسولؐ ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیں۔ اب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجا چاہا لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کر کے بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابش قوم نے انہیں بچالیا (شاید اس بنا پر) حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ یا

رسول اللہ ﷺ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجیں جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے بہت زیادہ ذی عزت ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں۔ حضرت عثمان نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص آپ کو بل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول اہل مکہ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں آپ اگر چاہیں تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لیں لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضور مٹوف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں۔ قریشیوں نے جناب عثمان کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا۔ ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔

زہری کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ تم جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آ سکتے تاکہ عرب ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے۔ چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا جب حضورؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضورؐ سے باتیں شروع کیں اور دیر تک سوال جواب اور بات چیت ہوتی رہی۔ شرائط صلح طے ہو گئے صرف لکھنا باقی رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا عمر! اللہ کے رسول کی رکاب تھامے رہو! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی کامل یقین ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضرت عمرؓ سے پھر بھی صبر نہ ہو سکا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا غلام ہوں میں اس کے فرمان کا خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہنے کو تو اس وقت جوش میں میں حضورؐ سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی میں نے اس کے بدلے بہت روزے رکھے بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ اس سے ڈر کر کہ مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا یوں لکھئے بِاسْمِکَ اللّٰہُمَّ۔ آپ نے فرمایا اچھا یونہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا۔ اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں لکھئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے کیا اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی لوگ امن و امان سے رہیں گے ایک دوسرے سے بچاؤ رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے والی کی اجازت بغیر چلا جائے گا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی صلح قائم رہے گی کوئی طوق و زنجیر قید و بند بھی نہ ہوگی۔ اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد ﷺ کی جماعت اور آپ کے عہد و بیان میں آنا چاہے وہ آ سکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد و بیان میں آنا چاہے وہ بھی آ سکتا ہے۔ اس پر بنو خزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد و بیان میں آئے ہیں اور بنو بکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں۔ صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس

سال آپ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں نہ آئیں، اگلے سال آئیں اس وقت ہم باہر نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب سمیت آئیں، تین دن مکہ میں ٹھہریں، تھہریا راتے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں، تلوار میان میں ہوں۔ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا جو سہیل کے لڑکے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چھپے لکے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں فتح ہونے میں ڈر سا بھی شک نہ تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر مشقت اٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشاں خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابو جندلؓ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر کہ حضورؐ آئے ہوئے ہیں، کسی نہ کسی طرح موقع پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر حضور ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (ﷺ)! میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے، لہذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے۔ سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انہیں لے کر چلتا ہے۔ حضرت ابو جندل بلند آواز سے کہتے ہیں اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ نے صحابہ کو اور برا فروختہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد و غم، رنج و الم، ظلم و ستم سے چھڑوانے والا ہے، ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں شرطیں طے ہو چکی ہیں اس بنا پر ہم نے انہیں سردست واپس کر دیا ہے۔ ہم غدر کرنا، شراٹھ کے خلاف کرنا، عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کرو! ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمرؓ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ حضرت ابو جندلؓ کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کے آر پار کر دیں لیکن حضرت ابو جندلؓ کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا، فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ احرام میں نماز پڑھتے تھے اور حلال مضطرب تھے پھر حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈاؤ۔ لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لوٹ کرام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا یا رسول اللہ! اس وقت جس قدر صدے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی معلوم ہے آپ ان سے کچھ نہ کہیں، سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائیے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈا لیجئے، پھر تو ناممکن ہے کہ اور لوگ بھی یہی نہ کریں۔ آپ نے یہی کیا۔ اب کیا تھا ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا، قربانی کو قربان کیا اور سر منڈا لیا۔ اب آپ یہاں سے واپس چلے آدھا راستہ طے کیا ہو گا جو سورۃ الفتح نازل ہوئی۔

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھا، تجسس کے لئے روانہ کیا غدریہ اشطاط میں

آکر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے، ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل و عیال پر حملہ کر دیں؟ اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی ورنہ ہم انہیں ٹنگین چھوڑ کر جائیں گے۔ اگر وہ بینہر ہیں گے تو اس غم ورنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی جو اللہ عز و جل نے کاٹ دی ہوں گی، دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے، صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں، بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں آپ چلے چلے ہمارا ارادہ جدال و قتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو، آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضورؐ نے فرمایا خالد بن ولید طلحہؓ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہولو۔ خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور صبح صحابہ کے ان کے کلمے پہنچ گئے۔ اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا۔ اونٹنی کا نام اس روایت میں قصویٰ بیان ہوا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے میں دوں گا بشرطیکہ حرمت الہی کی اہانت نہ ہو پھر جو آپ نے اونٹنی کو لکارا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

بدیل بن ورقاء خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا، یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب، اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیا ناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ چھاڑ دوڑ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے وہ جواب دیا جو پہلے گذر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا، ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا، بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے، موقع پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضور ہوئے آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ عروہ نے یہاں یہ منظر بھی چشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے۔ جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ پڑیں۔ جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے، مجال نہیں جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے۔ حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرہ منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں۔ اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضورؐ جو انصاف عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو۔

بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا، اسے دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا، ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مکرزود دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے ابھی یہ

بیٹھا باتیں کر رہی رہا تھا جو سہیل آ گیا اسے دیکھ کر حضورؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا لو اب کام بہل ہو گیا۔ اس نے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو مسلمانوں نے کہا قسم اللہ کی یہی لکھا جائے گا لیکن آپؐ نے سہیل کی بات مان لی۔ جب لفظ رسول اللہ پر اس نے اعتراض کیا تو آپؐ نے فرمایا واللہ! میں رسول اللہ ہی ہوں گوتم نہ مانو۔ یہ اس بنا پر کہ جب آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپؐ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمت خداوندی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا۔ آپؐ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ اس سال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافران میں سے مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپؐ اسے واپس دے دیں گے اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سوئپ دیں؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں جو حضرت ابو جندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے آپؐ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضا مند نہیں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا مگر مرکز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابو جندلؓ نے مسلمانوں سے فرمادی کہ ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ حاضر حضورؐ ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گزر چکا۔ پھر پوچھا کیا آپؐ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے لیکن یہ تو نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں یہ تو آپؐ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے ضرور اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ضرور۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا بیان اوپر گذرا۔ اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضور اللہ کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ہاں پھر میں نے حضورؐ کی پیشین گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب مجھے ملا جو ذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو خرکیا اور نائی کو بلوا کر سرمنڈ والیا پھر تو سب صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اڑدھام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضورؐ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ الْخَالِعَاتُ** نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرک بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے۔ ابوبصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقع پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ شریف پہنچے ان کے پیچھے ہی دو کافر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپؐ واپس کیجئے ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابوبصیرؓ کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبصیرؓ کو انہیں سوئپ دیا۔ یہ انہیں لے کر چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں بھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی حضرت ابوبصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے دکھانا اس نے دے دی۔ آپؐ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک

کافر کا تو کام تمام کیا دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا سر پٹ بھاگا کہ سید حامد یزید پہنچ کر دم لیا، اسے دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے، کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے۔ اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور وہاں یاں دینے لگا کہ رسول اللہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا، آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا، اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی۔

آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے، کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا؟ یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیر چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سوچتے ہی حضورؐ کے پاس سے چلے گئے، مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بودو باش اختیار کر لی۔ یہ واقعہ مشہور ہو گیا ادھر سے ابو جندل بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقع پا کر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابو بصیرؓ کے پاس چلے۔ اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرنا سیدھا حضرت ابو بصیرؓ کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا، یہاں تک کہ ایک خاص معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے، یہاں تک کہ قریش تنگ آ گئے بالآخر انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں آ دی بھیجا کہ حضورؐ خدا را ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلو لیجئے، ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں، ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آ جائے، وہ امن میں ہے، ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلو لو۔ چنانچہ حضورؐ نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور ان حضرات کے پاس آ دی بھیج کر سب کو بلوایا اور اللہ عز وجل نے آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَكُمْ اِلٰی نَازِلِ فرمائی۔ ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے دی آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا، آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی۔

صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابوثابت کہتے ہیں میں ابو دائل کے پاس گیا تاکہ ان سے پوچھوں انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پس حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں، پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو، ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقع پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے مقتول جہنمی نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں، کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں؟ حالانکہ اب تک خدائے تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے۔ وہاں سے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورہ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے تئیں ابو جندل والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول

اللہ ﷻ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورہ فتح اتری تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی وہ واپس نہ کریں تو حضورؐ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیؑ کی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! لکھ یہ وہ شرائط صلح ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد ﷺ نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانستے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا اے علی! اے مٹاؤ خدا یا تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (ؓ) نے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ حضرت علیؑ سے بہت بہتر تھے پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو ٹوٹا یا اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے جن میں ایک اونٹ ابو جہل کا بھی تھا جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّبِّيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
إِذَا شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ
لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا هُوَ
الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۸

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے مطابق واقعہ خواب سچا کر دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں جاؤ گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے چین کے ساتھ نظر ہو کر وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی ۝ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین سے اوپر رکھے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اظہار حق کرنے والا ۝

رسول اللہ ﷺ کا خواب: ☆ ☆ (آیت: ۲۷-۲۸) رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپؐ نے اس کا ذکر اپنے اصحابؓ سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہؓ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہؓ پر نہایت شاق گذرا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو خود حضورؐ سے یہ کہا بھی کہ آپؐ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے آپؐ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا، آپؐ نے

فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر حضرت صدیقؓ سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے 'لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی' آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا 'پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ میں جاتے وقت بھی امن و امان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہو گا۔ چنانچہ عمرہ قضا میں ہوا یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے 'ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا۔ صفر میں خیبر کی طرف گئے' اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا۔ یہ بہت بڑا علاقہ تھا 'اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خدام یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں۔ خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہؓ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے' ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا بجز ان لوگوں کے جو حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔ جو حضرات حضورؐ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابودجانہ ماسک بن خشرہ رضی اللہ عنہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے۔ یہاں سے آپ سالم و غانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے۔ ذوالحلفیہ سے احرام باندھا 'قربانی کے لئے ساتھ اونٹ ساتھ لئے اور لہیک پکارتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچ کر حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا 'اس سے مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور مارے رعب کے ان کے کلیجے اچھلنے لگے۔ انہیں خیال گذر کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آئے ہیں۔ انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی 'چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ میں گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی۔

حضور جب مر الظہر ان میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان یانچ میں بھیج دیئے۔ مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں 'ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مرکز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں 'حضور نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تو 'ہم نے وہ سب یانچ بھیج دیئے۔ اس نے کہا یہاں ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی 'نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں۔ سرداران کفار تو بوجہ غیظ و غضب اور رنج و غم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوشوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو 'اس پاک لشکر کو 'اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور و معروف اونٹنی قصواء پر سوار تھے 'آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لہیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

باسم الذی لا دین الا دینہ بسم الذی محمد رسولہ
 خلوا بنی الکفار عن سبیلہ الیوم نضربکم علی تاویلہ
 کما ضربنا کم علی تنزیلہ ضربا یزیل الہام عن مقیلہ
 ویذہل الخلیل عن خلیلہ قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
 فی صحف تنلی علی رسولہ بان خیر القتل فی سبیلہ
 یا رب انی مومن بقیلہ

یعنی اس اللہ کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں (ﷺ)۔ اے کافروں کے بچو! حضور کے راستے سے ہٹ جاؤ! آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار! میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور المرظہم ان میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ یہ سن کر صحابہ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شور باپیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہوا اسے جمع کر دو چنانچہ جمع کیا، دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے، تو حضور کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھاپی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم سستی اور لاغری محسوس نہ کریں اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اسی طرح کئے چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رمل کیا یعنی دلی چال چلے۔

بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کو مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخاری کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور ست کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول ﷺ کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں ہلکی چال چلیں پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کو دودھ پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں ست ولاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں اور فلاں سے بھی

زیادہ چست و چالاک ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقہ کی طرف تھے حضور کا صفارہ کی طرف سہی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی نا سمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔ بخاری شریف میں ہے حضور عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک نہ جانے دیا آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سرمنڈوا لیا اور ان سے صلح کر لی جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ معظمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھایا وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبد اللہ لکھتے۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علی نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا چنانچہ آپ نے اس صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جانے کے لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکہ میں رہنے کے ارادے سے ٹھہر جانا چاہے گا آپ اسے رد کیں گے نہیں۔ پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گزر چکا تو مشرکین حضرت علی کے پاس آئے اور کہا آپ حضور سے کہئے کہ اب وقت گزر چکا تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی پچا پچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہوئیں حضرت علی نے انہیں لے لیا اور انکی تمام کمر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے اور فرمایا اپنے پچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو۔ حضرت زہراؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اب حضرت علی اور حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت علی تو فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے پچا کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت جعفر فرماتے تھے میری پچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زید فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔

حضرت علی سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر سے فرمایا تو خلق اور خلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ! آپ حضرت حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں پر اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا اس نے آپ کو علم نافع اور

علم صالح کے ساتھ بھیجا ہے شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل، پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے اس کے اخبار سچے اس کے احکام سراسر عدل و حق والے۔ چاہتا یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں، عجمیوں میں، مسلمین میں، مشرکین میں ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر کرے۔ اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْطَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا
عَظِيمًا

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں پس ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے ان کی یہی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے، مثل اس کہتی ہے جس نے اپنا پنٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑھائے ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ○

تصدیق رسالت بزبان الہ: ☆☆ (آیت: ۲۹) ان آیتوں میں پہلے نبی ﷺ کی صفت و ثنائیاں ہوئی کہ آپ اللہ کے بحق رسول ہیں پھر آپ کے صحابہ کی صفت و ثنائیاں ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ”مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم“ ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ”ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو وہ تم میں سختی محسوس کریں“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے، کبھی بخار چڑھ آتا ہے، کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتلائیں۔ پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں، خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل والی ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور اللہ طلبی کا کہ یہ اللہ کے فضل اور اس

کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں جو جنت ہے اور اللہ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے۔ جیسے فرمایا و رضوان من اللہ اکبر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی رضا بھی سب سے بڑی چیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو مانتے پڑ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔ حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے چہرے پر روشنی آتی ہے روزی میں کشادگی ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات کو پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھ دیتا ہے اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عزیمت روک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ اچھا خلق میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاکبازی فوج جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکاراٹھتے اللہ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر و بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی خدا کی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا۔ یہ اس لئے کہ کفار شرمسار ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے

چڑتے اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور ان کا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت یاد رہے کہ منہم میں جو من ہے وہ یہاں بیان جنس کیلئے ہے اللہ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو ان کے قدم بقدم چلنے والے ان کی روش پر کار بند ہونے والوں سے بھی اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں اللہ ان سے خوش یہ اللہ سے راضی یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ گو برانہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پاسکتا۔ الحمد للہ سورہ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الحجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغْضَوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

لائق عبادت بخشنے والے مہربان کے نام سے شروع

اے ایمان والے! لوگو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہ کر واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا ہے ○ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ اس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ○ بے شک جو لوگ رسول اللہؐ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے ○

(آیت ۱: ۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ امتیوں کو اپنے نبیؐ کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت کا خیال کرنا چاہئے تمام کاموں میں خدا اور رسولؐ کے پیچھے رہنا چاہئے۔ اتباع اور تابعداری کی خود انہی چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ؟

جواب دیا سنت رسول اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو۔ (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)

یہاں اس حدیث کے وارد کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنی رائے نظر اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے مؤخر رکھا۔ پس کتاب و سنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف نہ کہو۔ حضرت عوفیؓ فرماتے ہیں حضورؐ کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیا گیا، مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسولؐ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو حضرت ضحاکؓ فرماتے ہیں امر دین احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوریؓ کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر سبقت نہ کرو۔ امام حسن بصریؓ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعائے نہ کرو۔ امام حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہئے، اسے اللہ نے ناپسند فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم خدا کی بجا آوری میں اللہ کا لحاظ رکھو اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے۔ پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں۔ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملکیہ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ وہ بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کی آوازیں حضورؐ کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے۔ اس پر حضرت صدیق نے فرمایا کہ تم تو میرا خلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمائیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمرؓ اس طرح حضورؐ سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے قحطاق بن معبدؓ کو اس وفد کا امیر بنایا اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابس کو اس اختلاف میں آوازیں کچھ بلند ہو گئیں جس پر آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا نَازِلَ هُوَ يُنَزِّلُ وَأَنْتُمْ صَبْرًا مسند بزار میں ہے آیت لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاعَ الْفِتْرِ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! قسم اللہ کی اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا۔

چنانچہ وہ حضرت ثابتؓ کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکاے ہوئے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا برا حال ہے میں تو حضرت کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا، میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا پھر تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابتؓ کے ہاں گئے۔ حضورؐ نے فرمایا تم جاؤ اور ان سے کہو کہ تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ خود حضورؐ نے پوچھا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں، یمامہ کی جنگ میں جب کہ مسلمان قدرے بد دل ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ خوشبو ملے کفن پہنے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں مسلمانو! تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے برا نمونہ نہ چھوڑ جاؤ۔ یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے

یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے جب انہیں نہیں دیکھا تو حضرت سعد سے جوان کے پڑوسی تھے دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعد کا ذکر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معطل ہے۔ اور یہی بات صحیح بھی ہے اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت زندہ ہی نہ تھے بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا تھا اور بنو قریظہ کی جنگ سنہ ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اتری ہے اور وفد کا پے در پے آنے کا واقعہ سنہ ۹ ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو پیری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے اور حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھڑکیں مار مار کر رونے لگے گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت حیلہ بنت عبد اللہ بن ابی ابن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔ خدا کی قسم میں اس میں نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضا مند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابتؓ وہاں نہیں مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں یہاں آ کر کہا ثابتؓ چلو تم کو رسول اللہ ﷺ یا دفرا رہے ہیں۔ حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب، کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔ پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی چیدوار شہید ہو کر مراد جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کا فور ہو گیا، باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنْ الدِّينَ يَعْصُونَ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرمادیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔ علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا اس لئے کہ حضورؐ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام و عزت تھے اب ہمیشہ تک آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے با آواز بلند باتیں کرتے ہیں باتیں کرنا منع فرمائیں بلکہ آپ سے تسکین و وقار عزت و ادب، حرمت و عظمت سے باتیں کرنا چاہئیں۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ”اے مسلمانو! رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔“ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس بلند آوازی سے اس لئے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضورؐ ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے خدا ناراض ہو جائے

اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گذرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن خدا نے تعالیٰ اسے اس ایک کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جو گڑھا آسمان و زمین سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبی کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انہیں اللہ رب العزت نے تقویٰ کے لئے خالص کر لیا ہے اہل تقویٰ اور مجلس تقویٰ میں یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔

امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتاء لیا گیا کہ اے امیر المؤمنین! ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو وہ اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزمایا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝
 وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝
 وَاللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ ۝

جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بالکل بے عقل ہیں ○ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ تو خود ان کے پاس آ جاتا تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اللہ غفور و رحیم ہے ○

آداب خطاب: ☆ ☆ (آیت ۴-۵) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں جس طرح اعراب میں دستور تھا۔ تو فرمایا کہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا، کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔

پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ و استغفار کرنا چاہئے کیونکہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے حضور کو آپ کا نام لے کر پکارا یا محمد! یا محمد! آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا سنئے یا رسول اللہ! میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا۔ آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطار دو غیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ جب حضرت سعید بن جبیرؓ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت یَسْمُونَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوا پڑھ دیتے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ کو تسلیم کرنے میں کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے، میں نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن
تَصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٥﴾

فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو: ☆☆ (آیت: ۶) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کوئی حرکت نہ کرو، ممکن ہے کہ کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کرو گزرو تو دراصل اس کی پیروی ہوگی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے جس کا حال نہ معلوم ہو، اس لئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو۔ گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں، ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری شریف کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے، فالحمد للہ۔ اکثر مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابومعیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی۔ میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں ان کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں۔ اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے، میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث نے واپس آ کر یہی کیا، مال زکوٰۃ جمع کیا جب وقت مقررہ گزر چکا اور حضور کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہانی تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ لانے جانے کے لئے نہ بھیجا ہوا اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوٰۃ ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرت راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لئے روانہ فرمائے۔ مدینہ کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارث کو پالیا اور گھیر لیا۔ حضرت حارث نے پوچھا آ خر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضور کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا، چلو میں تو خود حضور کی

خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ! قسم ہے خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا۔ اس پر یہ آیت حکیمؑ نازل ہوئی۔

طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ کا قاصد حضرت حارثؓ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آرہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، ہم بے حد خوش ہوئے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں خدا ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے۔ عصر کی اذان جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضورؐ سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا آپ کا قاصد آدھے راستے سے سیلوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم بھیج دیا ہو گا اس لئے حاضر ہوئے ہیں ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس کا عذر سچا بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔

چنانچہ حضورؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیرامارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں، مسجد میں اذانیں ہوئیں، جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے واپس آ کر سرکار نبویؐ میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت قتادہؓ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش، بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے۔ جیسے ابن ابی لیلیٰؓ، یزید بن رومانؓ، ضحاکؓ، مقاتل بن حیانؓ رحمہم اللہ وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واللہ اعلم۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ
مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ
وَزَيَّنَّ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ
وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۸

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسولؐ موجود ہیں اگر وہ عموماً تمہارا کہا کرتا رہے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے

تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور بدکاریوں کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ راہ یافتہ ہیں ○ اللہ کے احسان و انعام سے اور اللہ دانا اور با حکمت ہے ○

(آیت: ۷-۸) پھر فرماتا ہے کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں ان کی تعظیم و توقیر کرنا عزت و ادب کرنا ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجالانا تمہارا فرض ہے۔ وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں انہیں تم سے بہت محبت ہے وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضور ہیں۔ چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ یعنی مسلمانوں کے معاملات میں ان کی اپنی بہ نسبت نبی ﷺ ان کے لیے زیادہ خیر اندیش ہیں پھر بیان فرمایا کہ لوگو! تمہاری عقلیں جن تمہاری مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پاسکتیں انہیں نبی پارہا ہے۔ پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہوگا۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پر چلے تو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھادی ہے۔ مندا احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ پھر آپ اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے پرہیزگاری کی جگہ یہ ہے۔ اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی اور تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں بھر پور کر دی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے جن میں یہ پاک اوصاف ہیں انہیں خدا نے رشد اور نیکی ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے۔

مند احمد میں ہے احد کے دن جب مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو حضور ﷺ نے فرمایا درنگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ تو میں اپنے رب عزوجل کی ثابیان کروں پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا هَادِيَ لِمَنْ اَضَلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ وَلَا مُعْطٰی لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُقَرَّبَ لِمَا بَاعَدْتَ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ۔ اَللّٰهُمَّ اَبْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یُحَوَّلُ وَلَا یُزَلُّ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعِیْلَةِ وَالْاَمْنِ یَوْمَ الْخَوْفِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَائِدُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اَعْطٰیْنَا وَمِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَنَا۔ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْهُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَكِّرْهُ اِلَیْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔ وَاحْبِبْنَا مُسْلِمِیْنَ۔ وَالْحَقُّنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ حَزَابٍ وَلَا مَفْتَوْنِیْنَ اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِیْنَ یُكْذِبُوْنَ رُسُلَكَ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ عَلَیْهِمْ رَجْزَكَ وَعَذَابَكَ۔ اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكُفْرَةَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ اِلٰهَ الْحَقِّ (نسائی)

یعنی اے اللہ! تمام تر تعریف تیرے ہی لئے ہے تو جسے کسادگی دے اسے کوئی ٹھک نہیں کر سکتا اور جس پر تو جتنی کرے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا، تو جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا، جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر لے اسے دور ڈالنے والا کوئی نہیں، اے اللہ! ہم پر اپنی برکتیں رحمتیں، فضل اور رزق کشادہ کر دے، اے اللہ! میں تجھ سے وہ بیشکی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ ادھر ادھر ہوں نہ زائل ہوں، خدا یا فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرمانا اور خوف والے

دن مجھے اسن عطا فرماتا۔ پروردگار! جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے معبود! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دل میں دوری اور عداوت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیکو کار لوگوں سے ملا دے ہم رسوا نہ ہوں ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں۔ خدا یا! ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں اور تیری راہ سے روکیں تو ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما۔ الہی! اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کراے سچے معبود!۔“

یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لائے ہیں۔ مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے یہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے اللہ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

وَاِنْ طَافْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَاصْطَلِحُوا بَيْنَهُمْ فَاِنْ
بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِىَ
اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَاَتَتْ فَاصْطَلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوا اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاصْطَلِحُوا بَيْنَ اَخْوِيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کر پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو پھر ان دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرو اور وعدہ کرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کر دیا کر اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

دو متحارب ”مسلمان جماعتوں“ میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے: ☆ ☆ (آیت: ۹-۱۰) یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرادیں آپس میں دوڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی۔ خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے۔ اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ ممبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ آپ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے آجائے حق کو سننے اور مان لے۔ صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو تو بھی اور مظلوم ہو تو بھی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو یہی اس کی اس وقت کی مدد ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا اچھا ہوا اگر آپ عبد اللہ بن ابی کے ہاں چلے چنانچہ آپ

اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہؓ آپؐ کی ہمرکابی میں ساتھ ہو لئے، زمین شور تھی جب حضورؐ وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگا مجھ سے الگ رہئے اللہ کی قسم آپؐ کے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ اس پر ایک انصاری نے کہا واللہ رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بوتیری خوشبو سے بہت ہی اچھی ہے۔ اس پر ادھر ادھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ کچھ ہاتھ پائی جوتے چھڑیاں بھی کام میں لائی گئیں ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہو گئی تھی ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا اس نے اپنے میکے جانا چاہا خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی وہ لوگ آئے اور اسے بالا خانے سے اتار لائے اور لے جانا چاہا ان کے خاوند گھر پر تھے نہیں۔ خاوند والوں نے اس کے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع دے کر انہیں بلا لیا اب کھینچنا تانی ہونے لگی اور ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ رسول خدا ﷺ نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرادی اور سب لوگ مل گئے۔ پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو اللہ عادلوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل و انصاف کرتے رہے وہ موتیوں کے منبروں پر رحمان عزوجل کے سامنے ہوں گے اور یہ بدلہ ہوگا ان کے عدل و انصاف کا (نسائی)

مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر اللہ کی دائیں جانب ہوں گے یہ اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال میں اور جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا وکل مومن دینی بھائی ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اسے اس پر ظلم و ستم نہ کرنا چاہئے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت رحمہ اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے، کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ مسند احمد میں ہے مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے، مومن اہل ایمان کے لئے وہی درد مندی کرتا ہے جو درد مندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرادو اپنے تمام کاموں میں خدا کا ذکر رکھو۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہوگی۔ پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥١﴾

اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخر اپن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس

میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو ایمان کے بعد گنہگاری برانام ہے جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں ○

ہر طعنہ باز عیب جو مجرم ہے: ☆ ☆ (آیت ۱۱) اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو حقیر و ذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنے کا۔ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ تم سے زیادہ با وقعت ہو مردوں کو منع کر کے پھر خاصہ عورتوں کو بھی اس سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَيَلْ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے اور لمز قول سے۔ ایک دوسری آیت میں ہے هَمَزٌ مَشَاءٌ بَنِيْمٍ یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گستاخانہ پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بھانے والا ہو غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا۔ یہاں لفظ توبہ ہیں کہ اپنے تئیں عیب نہ لگاؤ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ جیسے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباسؓ 'مجاہد سعید بن جبیر قتادہ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دے پھر فرمایا کسی کو چڑاؤ مت! جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو اس لقب سے اسے نہ پکارو نہ اس کو برانام دو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ حضورؐ جب مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضورؐ ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہ! یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد)

پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گئے جاؤ گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ
الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ
أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ

ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو! یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بعید نہ ٹھوٹا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○

دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ: ☆ ☆ (آیت ۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانی کرنے اور تہمت دھرنے اور اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھ لینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط برتنی چاہئے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت

بڑی ہے یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے، بھید نہ ٹٹلو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو، حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو، ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کر لیا کرو، ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو، بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گزارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضورؐ پھر ان کا تذکرہ کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفار کر لے، جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شکوں لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک، اسے پورا کر۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں آپ نے فرمایا ہمیں بھید نہ ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین کے پاس حضرت عقبہ گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرادوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ، بھجھاؤ، ڈانٹ ڈپٹ کر دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو، سنو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ دو گور کردہ لڑکی کو بچا لیا۔ ابو داؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز نہ ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دے گا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں نہ ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا ترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو تاکہ جھانک نہ کیا کرو، اسی سے جاسوس ماخذ ہے تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تجسس کا اطلاق بھلائی ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں۔ فَتَحَسَّسُوا الخ، بچو تم جاؤ اور یوسفؑ اور برادر یوسفؑ کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس نہ تجسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تجسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرکوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں اور تذکرہ کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزر دہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منع فرماتا ہے۔ ابو داؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔ تو کہا گیا اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابو داؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صفیہؓ تو ایسی ایسی ہیں مسدرد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت، تو حضورؐ نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند

نہیں کرتا گو مجھے کوئی بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہؓ نے حضورؐ کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں حضورؐ نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیر خواہی جیسے کہ نبی ﷺ نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے حضورؐ نے فرمایا تھا معاویہ مفسل شخص ہے اور ابو الجہم بڑا مارنے پینے والا آدمی ہے۔ یہ آپؐ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے بہرہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتاب جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ جتہ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔

ابوداؤد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپؐ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت و عظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی خدا کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام میں کھڑا کر دے گا۔

حضورؐ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد و عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں۔ میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ لوگ ہیں جو طعنہ زن غیبت گو چغل خور تھے انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم) یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورہ سبحان کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمد للہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے حضورؐ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے شام کو لوگ آنے لگے اور آپؐ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے اتنے میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا حضورؐ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپؐ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپؐ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپؐ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں کیا وہ

بھی روزے دار ہو سکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون جسے کہ توہڑے نکلے اس نے آ کر حضور کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مرجائیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضورؐ ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا حضورؐ کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ! وہ تو مر گئی ہوں یا تھوڑی دیر میں مرجائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ انہیں بلاؤ جب وہ آئیں تو آپؐ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کراؤ اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلی جس سے آدھا مٹکا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے توہڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا اس وقت آپؐ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد)

مسند حافظ ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپؐ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپؐ مجھے اس گناہ سے پاک کریں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمدہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ! اب آپؐ نے انہیں رجم کرنے کا یعنی پتھر اؤ کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھر اؤ کیا گیا۔ آپؐ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپؐ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھا لیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو بخشے، کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپؐ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مرداری بودالی ہوا چلی آپؐ نے فرمایا جانتے ہو؟ یہ بوس کس چیز کی ہے یہ بد بوی کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بد بوی ہوا وہ ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا پڑا ڈالنے کے بعد ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمانؓ نہیں تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمانؓ تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ کچی پکائی کھالے اور تیار خیمے میں آ کر آرام کر لے۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پوچھے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا تم جاؤ اور رسول اللہ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ یہ گئے اور حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پالیا۔ حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی وہ اٹھے اور خود حاضر حضورؐ ہوئے اور کہا حضورؐ ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپؐ نے بھیجا آپؐ

نے فرمایا تم نے مسلمان کے گوشت کا سالن کھالیا جبکہ تم نے انہیں یوں کہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، مَیْتًا اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابوضیاء میں تقریباً ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونے والا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضورؐ سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کریں۔ ابو یعلیٰ میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب اس مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو اس کے احکام بجالاؤ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو یہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گوئی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کر لے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہوگا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی چھبھائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کر دے تو اولے کا بدلہ ہو جائے گا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نارِ جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہاں تک کہ بدلا ہو جائے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بے عزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا (ابوداؤد)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنادیتے ہیں اللہ کے نزدیک تم سب میں سے بڑا بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے ○

نسل انسانی کا نکتہ آغاز ☆ ☆ (آیت: ۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ان ہی سے ان کی بیوی صائبہ حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی پھیلی۔ شعوب قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں شعوب

سے مراد عجی لوگ اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے جسے میں نے ابو عمر بن عبداللہ کی کتاب الانباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفۃ انساب العرب والعمم سے جمع کیا ہے۔ مقصد اس آیت مبارکہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف کی نسبت میں تو کل جہان کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہوگی وہ امر دینی اطاعت خداوندی اور اتباع نبوی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کی کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لئے ہیں تاکہ جھٹکا بندی اور ہمدردی قائم رہے۔ فلاں بن فلاں قبیلے والا کہا جاسکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب تو میں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں قبیلہ تیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تا کہ صلہ رحمی کر سکو صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں خدا برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب خدا کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے فرمایا پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے نبی زادے تھے دادا بھی نبی تھے پردادا تو خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقویٰ میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لوگو! اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور علیہ السلام نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپؐ اپنی چھتری سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو طن میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنایاں کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب بالکل برابر کے حضرت آدمؑ کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو، بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم سب میں سے زیادہ بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ممبر پر تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون

ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا سب سے زیادہ صلح جمی کرنے والا۔

مسند احمد میں ہے حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا مگر تقویٰ والے انسان کے۔ اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں۔ اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں فالحمد للہ۔ طبرانی میں حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں پس فرمایا تیرے سوا میں بھی بہت زیادہ قریب ہوں ان سے بہ نسبت تیرے اور تجھے آپ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تَوْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا اسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَا يَلِيْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْءٌ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ إِنَّمَا
الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمْ
الصَّادِقُونَ ۝

دہلہائی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو کہہ کر درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہ ہوا تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ مومن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین کریں پھر شک شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں یہی سچے اور راست گو ہیں ○

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں: ☆ ☆ (آیت: ۱۴-۱۵) کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا جڑھا دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔ یہ بہتے تھے ہم ایمان لائے اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ گوش ہوئے نبی کی اطاعت میں آئے ہیں۔ اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جبرئیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔ پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے انھیں کی طرف آئے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعد نے فرمایا رسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔ حضور نے فرمایا مسلمان تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعد نے یہی کہا اور حضور نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعد! میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جوان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں بھی حضور نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمد للہ۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس اور ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے قول کا اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مومن نہ تھے (یہ یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس وقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا نے کاشوت بھی آرہا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم اسلمنا کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل سے اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت ﷺ پر بار احسان رکھتے تھے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو مقام ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورہ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ کے اور اس کے رسول کے فرماں بردار رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔ جیسے فرمایا مَا التَّائِبُ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے برائی سے لوٹ آئے اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نکما خیال پیدا ہوتا ہے بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی چاہت کے مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ خدا کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ خدا میں جہاد کیا۔ (۲) وہ جن سے لوگوں نے

اسن پالیا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں۔ (۳) وہ جو طبع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔

قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللّٰهُ بِدِينِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ يٰۤمُنُوْنَ عَلَيَّ اَنْ
اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمْنُوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْۙ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيَّكُمْ
اَنْ هٰذِكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۙ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○ اپنے مسلمان ہونے کا تجھ پر احسان رکھتے ہیں تو کہہ دے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو ○ یقین مانو کہ آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۱۶-۱۸) پھر فرماتا ہے کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ تم جو اسلام قبول کرو گے جو میری ماتحتی کرو گے میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں کو ملے گا بلکہ دراصل ایمان کی ہدایت تمہیں دینا یہ خدا کا تم پر احسان ہے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ (اب غور فرمائیے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر خدا پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ پس آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہوں تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے ارشاد ہے اپنے اسلام کا احسان تجھ پر رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت خدا کا خود ان پر احسان ہے۔

پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتنا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے۔ مزید دلائل صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ملاحظہ ہوں۔ مترجم) پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا، تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا۔ جب کبھی حضور کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہوئے عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے۔ حضور نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت یٰۤمُنُوْنَ اَلْحٰنٰزِلْ ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی چکی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

الحمد للہ سورہ حجرات کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے۔ توفیق اور ہمت اسی کے ہاتھ ہے۔

تفسیر سورۃ ق

جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے۔ گویا کہ قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۃ حجرات سے شروع ہوتی ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے اس کی دلیل ابو داؤد کی یہ حدیث ہے جو باب تحریب القرآن میں ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں وفد ثقیف میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ٹھہرے اور بنو مالک کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبے میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانے کی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی، کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر، عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے پھر فرماتے کوئی حرج نہیں، ہم مکے میں کمزور تھے بے وقعت تھے پھر ہم مدینے میں آ گئے اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطف صحبت رہا کرتا تھا۔ ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے۔ ہم نے کہا حضور آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل، پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل، پھر سات سورتوں کی ایک منزل، پھر نو سورتوں کی ایک منزل، پھر گیارہ سورتوں کی ایک منزل، پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔

پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں، پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۃ ق پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنئے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور برأت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس، ہود، یوسف، زمر، ابراہیم، حجر اور فصل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان، کہف، مریم، طہ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، المائدہ، احزاب، سبا، فاطر اور یس ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں صافات، ص، زمر، غافر، حم السجدہ، حم، عسق، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، قتل، فتح اور حجرات ہوئیں۔ اب ساتویں منزل مفصل کی سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور وہ سورۃ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا فالحمد للہ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو قتادہ لیشی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۃ ق اور سورۃ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ، (سورۃ قمر) مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا دوسال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی دستور رہا، میں نے سورۃ ق کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی سن کر یاد کر لیا اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کے لئے ممبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے، جمعہ ہے اللہ کے رسول ﷺ اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا، مرنے کے بعد جینے کا، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا، حساب کتاب کا، جنت دوزخ کا، ثواب عذاب اور رغبت و ڈراوے کا ذکر ہے واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۝ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ
الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۙ ذَلِكَ
رَجْعٌ ۙ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا
كِتَابٌ حَفِیْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي
أَمْرٍ مَرِیْجٍ ۝

رحم کرنے والے رحمت کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ○

بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ○ بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا یہ ایک عجیب چیز ہے ○ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے یہ پھر زندہ کیا جائے گا اور از عقل ہے ○ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس کتاب ہے سب یاد رکھنے والی ○ بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی بس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں ○

اہل کتاب کی موضوع روایتیں: ☆☆ (آیت: ۱-۵) قی حروف بجائے ہے جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں جیسے ص، ق، الم، حم، طس، وغیرہ، ہم نے ان کی پوری تشریح سورہ بقرہ کی تفسیر میں شروع میں کر دی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے، میں تو جانتا ہوں کہ دراصل یہ بنی اسرائیل کی خرافات میں سے ہے، جنہیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینا مباح ہے گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روایتیں تو بنی اسرائیل کے بددینوں نے گھڑ لی ہوں گی تاکہ لوگوں پر دین کو غلط ملط کر دیں، آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجودیکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود ہے تاہم بددینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑ لیں۔

پس بنی اسرائیل جن پر مدٹیں گزر چکیں جو حفظ سے عاری تھے، جن میں نقادان فن موجود نہ تھے، جو کلام خدا کو اصلیت سے ہٹا دیا کرتے تھے جو شراہوں میں مخمور رہا کرتے تھے جو آیات خدا کو بدل ڈال کر کرتے تھے، ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جن روایات کو ان سے لینا مباح رکھا ہے یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل و فہم میں تو آسکیں نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں، سنتے ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور اس کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف و خلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی بے سرو پاتوں کا کچھ محتاج نہیں، فالحمد للہ۔

یہاں تک کہ امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں ایک عجیب و غریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ وارد کر دیا ہے جو از روئے سند کے ثابت نہیں اس میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے، اس کا نام قاف ہے آسمان دنیا اس پر اٹھا ہوا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے جو اس زمین سے سات گنی بڑی ہے پھر اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے پھر اس کے

چھپے پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے۔ اسی طرح سات زمیں سات سمندر سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔

علی بن ابوطالب جو روایت حضرت ابن عباسؓ سے کرتے ہیں اس میں ہے کہ ق اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جو حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ق بھی مثل ص 'ن' طس' الم وغیرہ کے حروف ہجائیں سے ہے۔ پس ان روایات سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہ فرمان ہونا اور دور ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قسم ہے اللہ کی اور ق کہہ کر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے محذوف پر۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔

قُلْتُ لَهَا قَفِي فَقَالَتْ ق

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کون سا کلام ہے؟ جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے تو بعض غویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب قَدْ عَلِمْنَا پوری آیت تک ہے، لیکن یہ بھی غور طلب ہے بلکہ جواب قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے، یعنی نبوت اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت اور تحقیق، گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہیں بتاتی ہو، ایسا قرآن کی قسموں کے جواب میں اکثر ہے جیسے کہ سورہ ص کی تفسیر کے شروع میں گذر چکا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان کیسے رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے اَكَاٰ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اِلٰهًا، یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ تم لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز تھی اللہ جسے چاہے فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کے جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مرجائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزاء جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے اس کے بعد تو اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا بالکل محال ہے۔ اس کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھا جاتی ہے اس سے بھی ہم غافل نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ان کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی حافظہ ہے۔ ہمارا علم ہے جو اس کو شال ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی ان کے گوشت، چمڑے، ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھا جاتی ہے ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اس حال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آجانے کے بعد اس کا انکار کر دیں ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ مرتج کے معنی ہیں مختلف، مضطرب منکر اور غلط ملط کے جیسے فرمان ہے اَنْتُمْ لِقَوٰی قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّوَفِّكُ عَنْتَہٗ مِّنْ اَفْکٍ یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَا وَرَیْتَهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۵ وَالْاَرْضُ مَدَدْنَهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِیَ

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۖ تَبَصَّرَةٌ وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ
عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۖ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَبْتٍ
وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۖ وَالنَّخْلَ بَسَقَتِ لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۖ رِزْقًا
لِّلْعِبَادِ ۖ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَّيْتًا ۖ كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اس کے سب طرح بنایا ہے اور زمینت دی ہے؟ اس میں کوئی شکاف نہیں ○ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشما چیزیں اگادی ہیں ○ تاکہ ہر جوع کرنے والے بندے کے لئے بیٹائی اور دانائی کا ذریعہ ہو ○ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کھنے والے غلے پیدا کئے ○ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ○ بندوں کی روزی کے لئے۔ ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح قبروں سے نکلتا ہے ○

اللہ کے محیر العقول شاہکار : ☆ ☆ (آیت: ۶-۱۱) یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ، ایک چھید ایک شکاف ایک دراڑ نہیں۔ چنانچہ سورۃ تبارک میں فرمایا اَلَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ جَسَّاسٌ لِّمَا فِي السَّمٰوٰتِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ غَیْبٍ ○ جہاں سے آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو خدا کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کرو اور دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جمادے تاکہ ٹل نہ سکے، کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگادیں۔ جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ بہیج کے معنی خوش منظر، خوشما باروتی۔

پھر فرمایا آسمان وزمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بیٹائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اور خدا کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کئی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگادیئے جو ہر پور میوے لاتے اور لدے رہتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر تازہ ہو گئی اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے۔ یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی، یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں کہ خدا مردوں کے جلانے پر قادر ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے لَخَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْصِ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰی بَلٰی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا؟ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنَّكَ تَرٰی الْاَرْضَ خَاشِعَةً یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بخر ہوئی ہے، ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار لگانے لگتی ہے کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں بتلاتی

کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلا شک و شبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۖ وَعَادُ
وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۖ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ
الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدُ ۚ أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ
مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں نے اور ثمودیوں نے اور عاد یوں نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آ گیا کیا پس ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں

ان کو شامت اعمال ہی پسند تھی ☆ ☆ (آیت: ۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آچکے ہیں۔ جیسے کہ نوح کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورہ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سزا ہوا دلدل بنا دیا۔ یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفران کی سرکشی اور مخالفت حق کا نتیجہ۔ اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قوم تبع سے مراد یمنی ہیں سورہ دخان میں ان کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں فالحمد للہ۔ ان تمام امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور عذاب خدا سے ہلاک کر دیئے گئے یہی عادت اللہ جاری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ایک رسول کا جھٹلانے والا تمام رسولوں کا منکر ہے۔ جیسے اللہ عزوجل و علا کا فرمان ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ قَوْمُ نُوحٍ نے رسولوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے پاس صرف نوح علیہ السلام ہی آئے تھے۔ پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آجاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے ایک کو بھی نہ مانتے۔ سب کی تکذیب کرتے ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ ان سب پر خدا کے عذاب کا وعدہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ثابت ہو گیا اور صادق آ گیا۔ پس اہل مکہ اور دیگر مخاطب لوگوں کو بھی اس بد خصلت سے پرہیز کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے۔ کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا بسانا ہم پر بھاری پڑا؟ جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں۔ ابتدا سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَىٰ ۚ اَعْمٰی اَعْلٰی یعنی ابتداء اسی نے پیدا کیا ہے اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ سورہ یس میں فرمان خداوندی جل جلالہ گذر چکا کہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا ۖ لَّحْ یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا بوسیدہ سڑی گئی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے بنی آدم ایذا دیتا ہے کہتا ہے خدا مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ
أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۚ

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ○

دائیں اور بائیں دو فرشتے: ☆ ☆ (آیت ۱۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بھلے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگزر فرمایا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں۔ اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں، یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم۔ ان کی غرض یہ ہے کہ کہیں حلول اور اتحاد نہ لازم آجائے جو بالا جماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ لیکن لفظ کا اقتضایہ نہیں ہے اس لئے کہ وَأَنَّا نَبْهَتُهُمْ وَأَنَّا نَكْنُزُهُمْ وَأَنَّا نَنزِلُهُمْ وَأَنَّا نَصْرُهُمْ وَأَنَّا نَمُوتُهُمْ وَأَنَّا نَحْيُهُمْ وَأَنَّا نَحْيُهُمْ وَأَنَّا نَحْيُهُمْ۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں جس کی موت قریب آگئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو فرمان ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا اس قدر قریب ہونا ہے۔ جیسے فرمان ہے إِنَّا نَحْنُ الذِّكْرُ وَأَنَا لَهُ لَحَافِظُونَ یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ پس انسان پر ایک پہرہ فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح خون۔ جیسے کہ بچوں کے سچے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ

جس وقت کہ وہ لینے والے لینے جاتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے ○ انسان کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے ○ موت کی سخت یقیناً پیش آئے گی یہی ہے جس سے تو بدکنا پھرتا تھا ○ اور صور پھونک دیا جائے گا وعدہ عذاب کا دن یہی ہے ○ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ○ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ○

(آیت ۱۷-۲۲) اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَإِنَّا عَلَيْكُمْ لَحَافِظُونَ الخ، تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے ہر فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت قتادہؓ تو

فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دوقول ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب لکھ لیا کرتے ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں۔ مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضا مندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضا مندی اس کے لئے قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گذرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ اپنی ناراضگی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے۔ حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچا لیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ اخف بن قیسؓ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے۔ جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھہر جا اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے اے ابن آدم! تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے اب تو جو چاہے عمل کر، کمی کر یا زیادتی کر، جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فَمَنْ عَنَيْهِ وَنُخْرِجْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے۔ پھر حضرت حسنؓ نے فرمایا خدا کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا، میں نے پیا، میں گیا، میں آیا، میں نے دیکھا۔ پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ منادیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں فرمان باری تعالیٰ شانہ کے يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْبِئُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاووسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا، اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے اپنی موت کے وقت تک اف بھی نہ کی۔

پھر فرماتا ہے اے انسان! موت کی بیہوشی یقیناً آئے گی اس وقت وہ شک دور ہو جائے گا جس میں آج کل تو مبتلا ہے۔ اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا اب وہ آگئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پاسکتا، نہ بچ سکتا ہے نہ اسے روک سکتا ہے نہ اسے دفع کر سکتا ہے نہ مال سکتا ہے نہ مقابلہ کر سکتا ہے نہ کسی کی مدد و سفارش کچھ کام آسکتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سر ہانے بیٹھی تھی آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا۔

من لا يزال دمه مقنعا فانه لا بديرة مدفوق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سراٹھا کر کہا بیماری بچی یوں نہیں بلکہ جس

طرح خدا نے فرمایا وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مردی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصديق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپؐ اپنے چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے 'سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو یہ کہ مہسولہ ہے یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مانا یہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں تو اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہو گئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال برا ہوا تھا آخر یونہی بھاگے بھاگے بے دم ہو کر مر گئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ اس کے بعد صور پھونکنے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گزر چکی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہ نے کہا پھر یا رسول اللہ! ہم کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ تو میدانِ محشر کی طرف لانے والا ہوگا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہوگا۔ ظاہر آیت یہی ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت ممبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدانِ محشر میں آئے گا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید سے مراد عمل ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اوپر آپؐ گواہی دے گا۔ پھر اس کے بعد کی آیت میں جو خطاب ہے اس کی نسبت تین قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہوگا دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا۔ ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظرقوی ہو گئی۔ لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تو اس دن سے غافل تھا اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی یہاں تک کہ کافر بھی استقامت پر ہو جائے گا لیکن یہ استقامت اسے نفع نہ دے گی۔ جیسے فرمان باری ہے أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصُرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَیِّنٌ جِسْرٌ رُوزِیہ ہمارے پاس آئیں گے خوب دیکھتے سنتے ہوں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُحْرَمُونَ إِذْ يُعْنَىٰ كَاشَ كَاشَ کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں پڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے خدایا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور کامل یقین رکھیں گے۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۖ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۖ

اس کا ہم نشین فرشتہ کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا ۝ ذال وجہنم میں ہر کافر سرکش کو ۝

ہمارے اعمال کے گواہ: ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تفصیل بلا کم و کاست - حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہوگا جسے سابق کہا گیا ہے جو اس کو محشر میں لے آیا تھا - امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی - اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کرے گا - اَلْقِيَا تِثْنِيَةً كَاسِيْنَةً - بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلا د سے کہتا تھا اَصْرَبَا عَنْقَهُ تَمَّ دَنُوْنِ اس کی گردن مار دو حالانکہ جلا د ایک ہی ہوتا تھا - ابن جریر نے اس کی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے - بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تا کیدہ جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے - بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو جو بدترین جگہ ہے اللہ ہمیں محفوظ رکھے -

مَنَاجِلٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ
فَأَلْقِيْهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ قَالَ قَرِيْبُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ
وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ
قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَيَّ وَمَا أَنَا
بِظَلٰمٍ ۝ لِلْعَبِيْدِ ۝

۱۵۹

جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گذر جانے والا اور شک کرنے والا تھا ۝ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو ۝ اس کا ہم نشین شیطان کہے گا اے ہمارے رب! میں نے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا ۝ حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑنے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعدہ عذاب بھیج چکا تھا ۝ میرے ہاں بات بدلتی اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں ۝

(آیت: ۲۵-۲۹) پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے ندادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے خواہ وہ مال کے خرچ میں اسراف کرتا ہو خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں خدائی احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر خدا کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذابوں میں ڈال دو - پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور با آواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام محشر کا جمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے اور ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی - مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلائے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں - پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برأت کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہرایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا حق کا اپنے آپ مخالف تھا -

جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی

میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں، میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا، اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو، نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آ سکو، تم جو مجھے شریک بنا رہے تھے تو میں پہلے ہی سے ان کا انکاری تھا ظالموں کے لئے الٹا عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھکڑو کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ خدا یا اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آ چکی گمراہ کر دیا اور شیطان کہے گا خدا یا میں نے اسے گمراہ نہیں کیا، تو اللہ انہیں تو تو میں میں سے روک دے گا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا، رسولوں کی زبانی یہ سب باتیں تمہیں سنا چکا تھا، کتابیں بھیج دی تھیں اور ہر طریقہ سے ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا ہے وہ میں کر چکا، میری باتیں بدلتی نہیں، میں ظالم نہیں جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑوں۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُولُ لِحِمَمِهِمْ هَلْ أَمْتَلَاتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۖ وَأَرْسَلْنَا
الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۖ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ
حَفِيظٍ ۖ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْبَاطِنَ بِغَيْبٍ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۖ
ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا
مَزِيدٌ ۚ

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ ○ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ اور جنت پہنچ گاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی ○ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع ہوئے والا اور پابندی کرنے والا ہو ○ جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو ○ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے ○ یہ وہاں جو چاہیں انہی کا ہے بلکہ ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے ○

متکبر اور متجبر کا ٹھکانا: ☆ ☆ (آیت: ۳۵-۳۰) چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اسے پر کر دے گا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈال دیا جائے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی یہاں تک کہ ایک مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عز وجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نواز دوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی، تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کے

لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے، تکبر کرنے والے بادشاہ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں کمزور، ضعیف، فقیر، مسکین داخل ہوں گے۔

مسند ابولعلیٰ میں ہے حضور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات قیامت کے دن دکھائے گا، میں سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، پھر میں خدا تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ اس سے وہ خوش ہو جائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی، پھر میری امت جہنم کے اوپر کے بل سے گزرنے لگے گی۔ بعض تو نگاہ کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائیں گے، بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے، بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا گزر جائے گا اور یہ مطابق اعمال کے ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس یہ سٹ جائے گی اور کہے گی بس بس اور میں حوض میں ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا خدا کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسان کے ستاروں سے زیادہ ہیں جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں پانی نہیں ملے گا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھڑکی۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھڑکی اور کہے گی کیا مجھ میں زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریر پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ خدا تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھڑکی؟ تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آسکے؟ یعنی باقی نہیں رہی، پھر ہوگی۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دو نہیں سمجھا جاتا۔ اَوَّاب کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے رک جانے والا۔ حَفِیْظ کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عسیر فرماتے ہیں اَوَّابٌ وَ حَفِیْظٌ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کر لے۔ جو رحمان سے بن دیکھے ڈرتا رہے یعنی تنہائی میں بھی خوف خدا رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش خدا کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں نہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ خدا کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے یہ خُلُو ککا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جارہے ہو جہاں کبھی موت نہیں، جہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں، جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گزرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں۔ پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برے گی۔

حضرت کثیر فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسانی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنا یا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی

مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا اور آیت میں ہے لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ۔ صہیب بن سنان روٹی فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہو گا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بچوں بچ ایک نکتہ تھا۔ حضور نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے گا مل جاتا ہے ہمارے یہاں اس کا نام یَوْمُ الْمَزِيدِ ہے حضور نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے اس کے ارد گرد نوری ممبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں یہ ممبر سونے کے ہیں جس پر جڑاؤ جڑے ہوئے ہیں۔ شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح اسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے وہ سلام کرے گی یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں ”مزید“ کہا گیا تھا۔ اس پر ستر ملے ہوں گے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا تک نظر آئے گا اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا
فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ
لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۚ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لَّغْوٍ ۚ
فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۚ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَادْبَارَ النُّجُودِ ۚ

ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگے کاٹھکانا ہے؟ ○ اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جودل سے متوجہ ہو کر کان لگائے ○ یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں نیکان نے چھوا تک نہیں ○ یہ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر صبر کرتا رہ اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کرتا رہ سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی ○ اور رات کے کسی وقت بھی اور نماز کے بعد بھی ○

بے سود کوشش: ☆ ☆ (آیت: ۳۶-۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو ہیں کیا چیز؟ ان سے بہت زیادہ قوت و طاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ وبالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں زمین میں خوب فساد کیا تھا لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی خدا کی قضا و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آگیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسے کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے۔ اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پاسکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اس کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر خدا کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہؓ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحة رکھ چھوڑا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تمھیں ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے وَلَمْ يَعْى بِخَلْقِهِنَّ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھا؟ وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک اور آیت میں ہے لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرَ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ الخ، البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ ایک اور آیت میں ہے اَنْتُمْ اَشْدُّ خَلْقًا اَمَ السَّمَاءِ بَنَاهَا کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی اسے خدا نے بنایا ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو خدا کی پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں گی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے سے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے۔

مسند احمد میں ہے ہم حضورؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو پھر آپ نے آیت وَتَسْبِّحُ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ پڑھی یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ۔ جیسے فرمایا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَسَجَّدْ لَہُ الخ یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ سجدوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ نماز کے بعد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ صحیحین میں حضرت

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ بلند درجے اور ہیبت کی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا آؤ تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ لیا کرو پھر وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہدؓ، حضرت عکرمہؓ، حضرت شعبیؓ، حضرت نخعیؓ، حضرت قتادہؓ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے حضور ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے فجر اور عصر کی نماز کے۔ عبد الرحمن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گزاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں ادا کیں پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس! فجر کے پہلے کی دو رکعتیں اَذْبَارُ السُّجُومِ ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتیں اَذْبَارُ السُّجُودِ ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہؓ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعتیں آپ کی اقتدا میں ادا کی تھیں اور یہ رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کی تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری مسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ہو واللہ اعلم

وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ يَوْمَ يَسْمَعُونَ
الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۖ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ
وَاللَّيْلَا الْمَصِيرُ ۖ يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا لَئِيسِيرٌ ۖ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝

اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا ○ جس روز اس تندو تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سب سن لیں گے یہ دن ہوگا نکلنے کا ○ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے ○ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے ○ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں ○

جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے: ☆ ☆ (آیت: ۳۱-۳۵) حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈی اور اے جسم کے متفرق اجزاء! اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پس مراد اس سے صور ہے یہ حق اس شک و شبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ اگرنا پھر لوٹنا نا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹانا نا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر

ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے۔ تمام بھلائی برائی کا عوض ہر شخص پالے گا زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگے لگیں گے جس طرح کچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اگ جاتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت و جلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا تھا۔ پس ہر روح اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ و ریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اس طرح اس جسم کے رگ و ریشے میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے یَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ الرَّحْمٰنِ یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔

صحیح مسلم میں ہے حضور فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے۔ جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ایک اور آیت میں ہے مَا خَلَقْنٰکُمْ وَلَا نَعْنٰکُمْ اِلَّا کَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد جلا دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا۔ اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نپٹ لیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَصِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِلٰی وَاَقْبٰی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بتاتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہنے اور نمازوں میں رہنے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لاسکتا نہ ہم نے تجھے اس کی تکلیف دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبر نہیں ہو یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جائیے۔ جبر معنی میں اجبر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہئے جس کے دل میں خوف خدا ہے جو اس کے عذابوں سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آجائے گا۔ جیسے فرمایا ہے فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمے ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَیْہِمۡ بِمُصِیْبٍ تو نصیحت کر دے تو صرف نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں۔ ایک اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ خدا جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جگہ ہے اِنَّکَ لَا تَهْدِیۡ مَنْ اَحْبَبَ یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ خدا جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت قتادہ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَّخَافُ وَ عِیْذَکَ وَ یَرْجُوْ مُوْعِدَکَ یَا بَارُّ یَا رَحِیْمُ یعنی اے اللہ! تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ سورہ ق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ حُدَّہٗ وَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نَعْمَ الْوَكِیْلُ۔

تفسیر سورۃ الذاریات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذَّرِیَّتِ ذُرَّوۡاۤءُۙ فَاَلْحَمِلَتْ وِقْرَآۤءُۙ فَاَلْجَرِیَّتِ یُسْرَآۤءُۙ
 فَاَلْمَقْسِمِۤتِ اَمْرَآۤءُۙ اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ لَصَادِقٌۭ ؕ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌۭ ؕ
 وَاَلَسَمَآءُ ذَاتِ الْحُبْلِ ؕ اِنۡكُمۡ لَفِیۡ قَوْلٍ مُّخْتَلَفٍ ؕ یُؤَفِّكُ عَنْهُۥ مَنۡ
 اَفِیۡكَ ؕ قَتَلَ الْخَرِصُوْنَ ؕ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ عَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ؕ
 یَسۡئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمِ الدِّیۡنِ ؕ یَوْمَ هُمۡ عَلٰی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ؕ
 ذُوۡقُوۡا فِتْنَتَکُمۡ هٰذَا الَّذِیۡ کُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعۡجِلُوْنَ ؕ

مہربان اور کرم فرما معبود برحق کے نام سے شروع ○

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی ازا کر ○ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ○ پھر چلنے والیاں نرمی سے ○ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ○ یقیناً نام تو تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں سب سچے ہیں ○ اور بیشک انصاف ہونے والا ہی ہے ○ قسم ہے راہوں والے آسمان کی ○ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو ○ اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو ○ سب سند باتیں بنانے والے غارت کر دیئے گئے ○ جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں ○ پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا ○ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر لائے سیدھے پڑیں گے ○ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی چارہ تھے ○

(آیت ۱-۱۳) خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفی کے ممبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کرلو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا پوچھا حاملات سے؟ فرمایا ایر۔ کہا جاریات سے؟ فرمایا کشتیاں کہا مقسمات سے؟ فرمایا فرشتے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ ہزار میں ہے صبیغ شیمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا تلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا اور اسے میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مقسمات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے اور سوار کر کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکید قہر میں کہیں کہیں لکھ کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی اب میرے دل میں بدعتیہ کی نہیں رہی جو پہلے تھی۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔

امام ابو بکر بزرگ فرماتے ہیں اس کے دوراویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المؤمنین نے اسے جو پوچھا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعتیگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صبیح کے باپ کا نام غسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت سدیؒ وغیرہ سے مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول وارد ہی نہیں کیا۔ حالات سے مراد ابرہہؓ نے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے۔

واسلمت نفسی لمن اسلمت له المزن تحمل عذابا لا لا

یعنی میں اپنے آپ کو اس خدا کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف بیٹھے اور بلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جاریات سے مراد بعض نے ستارے لی ہے جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوگی۔ اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے۔ جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں، کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجالانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آتی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب جزا و سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی، رونق، حسن اور برابری والا ہے۔ بہت سے سلف نے یہی معنی جبک کے بیان کئے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں ریت کے ذرے اور کھیتوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پرشکن لہرے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں اسی کو جبک کہتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے جبک ہیں یعنی گھونگروالے۔ ابوصالحؒ فرماتے ہیں جبک سے مراد شدت والا تصحیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علماء ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان۔ اس کی بلندی اس کی صفائی اس کی پاکیزگی اس کی بناوٹ کی عمدگی اس کی مضبوطی اس کی چوڑائی اور کشادگی اس کا ستاروں سے جگمگانا جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے اے مشرک! تم اپنے ہی اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے، بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَانْكُم وَمَا تَعْبُدُونَ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِحٌ يَعْلَمُ یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے بجز جنہی لوگوں کے کسی کو ظاہر نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدیؒ فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے

وہی جتا ہے جو اس سے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کرکس لے۔ پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں، یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا، جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔

حضرت معاذؓ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں۔ پھر فرمایا جو لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں۔ یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو۔ اپنے کثرت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی چارہ ہے تھے کہ کب آئے گا، کب آئے گا واللہ اعلم۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ اخْذِينَ مَا اتَّهَمُ رَبُّهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیک کار تھے ○

حسن کارکردگی کے انعامات: ☆ ☆ (آیت: ۱۵-۱۶) پرہیزگار خدا ترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے بخلاف ان بدکرداروں کے جو عذاب و سزائیں طوق و زنجیر میں سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے۔ جو فرائض خدا ان کے پاس آئے تھے یہ ان کے حامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا تاثر ہے دو وجہ سے، اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے ان تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے دوسرے یہ کہ اخْذِينَ کا لفظ حال ہے اگلے جملے سے تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں خدا کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے۔ اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے یعنی دنیا میں۔ جیسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اور آیتوں میں فرمایا کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی وارد دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے پاکیزہ و پسندیدہ کھاتے پیتے رہو۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الْبَلِّ ۖ مَا يَهْجَعُونَ ۖ وَ بِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۖ وَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۖ وَ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۖ وَ فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۖ وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُونَ ۖ قَوْرَبِ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۱۷﴾

﴿۱۷﴾

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○ اور آخری رات میں استغفار کیا کرتے تھے ○ اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا ○ یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ○ اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے ○ آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو ○

(آیت: ۱۷-۲۳) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ یہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں مانافہ ہے تو بقول حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی رات ایسی نہ گذرتی تھی جس کا کچھ حصہ یاد خدا میں نہ گذارتے ہوں خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں۔ یعنی کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے ساری رات سوتے سوتے نہیں گذارتے تھے۔ حضرت ابو العالیہؓ وغیرہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب، عشاء کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقرؑ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ما موصولہ ہے یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گزر کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت اخف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خولجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں میں جب کبھی اپنے اعمال و صفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں۔ لیکن الحمد للہ جہنمیوں کے عقائد کے بالمقابل جب میں اپنے عقائد کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے وہ کتاب اللہ کے منکر وہ رسول اللہ کے منکر وہ موت کے بعد کی زندگی کے منکر پس ہماری تو حالت وہی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی بتلائی ہے خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابوسلمہ! یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں بلکہ ہم تو بہت کم وقت عبادت خدا میں گذارتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے اور اس مجمع میں میں بھی تھا واللہ آپ کے مہارک چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم ﷺ کی میرے کان میں پڑی تھی کہ آپ نے یہ فرمایا اے لوگو! کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ حضرت زہریؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد گزاری میں نکالتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ کا نُوا قَلِيلًا کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور مِنَ اللَّيْلِ سے ابتدا بتلاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت دوری اور تکلف ہے۔ پھر اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز میں ہی ہو تو بھی بہت اچھا ہے صحاح وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات کو آسان

دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے کوئی گنہگار ہے؟ جو توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں؟ کوئی مانگنے والا ہے جو مانگے اور میں اسے دوں؟ فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لڑکوں سے جو فرمایا تھا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي میں اب غریب تمہارے لیے استغفار کروں گا اس سے بھی مطلب یہی تھا کہ سر کا وقت جب آئے گا تب میں استغفار کروں گا۔

پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، سلوک، احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑ سوار ہو، محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو، صنعت و حرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال تباہ ہو گیا، چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو گھومتے پھرتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے نہ اپنا حال قائل ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری مسلم)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کٹر شریف تھے کہ راستے میں ایک کتاب پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو، خواہ کچھ بھی ہو یعنی حاصل ہی نہ کر سکا۔ کمانے کھانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو وغیرہ۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا خدا نے انہیں غلبہ دیا اور مال غنیمت بھی ملا پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آگئے جو غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے، پس یہ آیت اتری۔ اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت کلی ہے۔ پھر فرماتا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشانات قدرت موجود ہیں جو خالق کی عظمت و عزت، ہیبت و جلالت پر دلالت کرتے ہیں دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح اس میں پہاڑوں، میدانوں، سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو ان کے رنگ روپ کے اختلاف کو ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل و فہم کے اختلاف کو ان کی حرکات و سکنات کو ان کی نیکی بدی کو دیکھو ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا اپنے جوڑوں کی ترکیب پر نظر ڈالے گا وہ یقین کر لے گا کہ بیشک اسے خدا نے ہی پیدا کیا اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

یعنی جنت۔ حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا افسوس میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہہ کر بستی چھوڑ کر اجاز جنگل میں چلے گئے۔ تین دن تک تو انہیں کچھ بھی نہ ملا لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ ترکھوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی ساتھ ہی تھے دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں رہے۔

پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کے دن دوبارہ جلانے کا، جزا و سزا کا یہ یقیناً سراسر سچے اور قطعاً بے شبہ ہو کر رہنے والے ہیں، جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے یہ بالکل حق ہے جیسے کہ تیرا یہاں ہونا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں اللہ انہیں برباد کرے جو خدا کی قسم کو بھی نہ مانیں یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ صحابی کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۖ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا
سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۖ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعَجَلٍ
سَمِينٍ ۖ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۖ فَأَوْجَسَ
مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۖ فَأَقْبَلَتِ
أَمْرَأَتُهُ فِي صَرَاقَةٍ فَصَكَتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۖ قَالُوا
كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۖ

کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ○ وہ جب ان کے ہاں آئے اور سلام کیا اور ابراہیم نے جواب سلام دیا اور کہا یہ تو اجنبی لوگ ہیں ○ پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فریہ بچھڑے کا گوشت لائے ○ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ○ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو ایک دانا عالم لڑکے کے ہونے کی بشارت دی ○ پس ان کی بیوی نے حیرت میں آ کر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ ○ انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمادیا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بہت بڑی حکمت والا اور کامل علم والا ہے ○

مہمان اور میزبان؟ ☆☆ (آیت: ۲۴-۳۰) یہ واقعہ سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں بھی گزر چکا ہے یہ مہمان فرشتے تھے جو بے شکل انسان آئے تھے جنہیں خدا نے عزت و شرافت دے رکھی ہے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے حدیث میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل خدا علیہ السلام نے بڑھا کر دیا۔ اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فرماتا ہے وَإِذَا أَحْبَبْتُمْ بَيْتَ حَبِیۡہٗ فَحَبِّوۡا بِأَحْسَنِ مَہۡنَا أَوْ رُدُّوہَا یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ تو ناشناسا ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے ان کے

چہروں پر ہیبت و جلال تھا۔

حضرت ابراہیم اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ نعلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فرہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل و کرم احسان و سلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَأَىٰ اٰیٰدِیْہُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ نَکَرُہُمْ وَاَوْحَسَ مِنْہُمْ خِیْفَتًا یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے۔ اس پر مہمان نے کہا ڈرو مت ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوش خبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیم کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی۔ تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہنر مار کر ایسی عجیب و غریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچادیں وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت و کرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر کا بچہ ہوگا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

الحمد للہ! الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے تفسیر محمدی کا چمبیہواں پارہ جم بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام پاک کا صحیح اور حقیقی مطلب سمجھائے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ اے پروردگار عالم! جس طرح تو نے مجھ پر اپنا یہ فضل کیا ہے کہ اپنے پاک کلام کی خدمت مجھ سے لی اسی طرح یہ بھی فضل کر کہ اسے قبول فرما اور میرے لئے باقیات صالحات میں سے اسے کر لے اور اس تفسیر کو میری تقصیر کی معافی کا سبب بنادے۔ اپنے تمام بندوں کو اس سے فائدہ پہنچا اور سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔